گوشئہ
شاہ حسین نہری
(Đ! ƷÆ ŀg)

سرزمین ولیؔ اورنگ آبادی (دکن) سے جاری ہونے والا معیاری رسالہ

ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ

(سہ ماہی)

(اردو)

عکسِ ادب

اورنگ آباد

Quarterly (Urdu)
AKS-E-ADAB
Aurangabad

شمارہ (۴۲) جلد (۱۲) جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء

رباعی

رحمٰن کا ہو شکر ادا پہلے آ
اے شاہ ، قلم اور بیان اس کی عطا
وجدان ونظر ، عقل وشعور اور تمیز
سب اس کی عنایت کے نظارے بابا!
(شاہ حسین 1ی)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 *Issue 42*
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

کتب شاہ حسین نہری

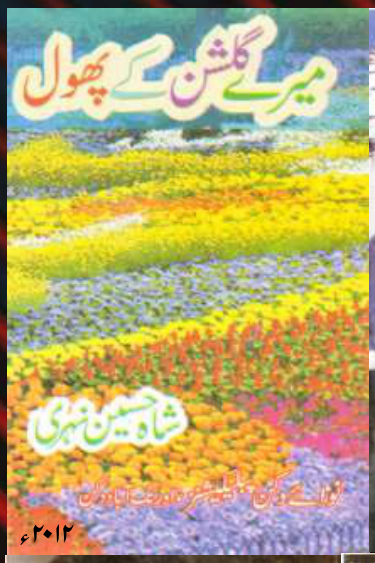

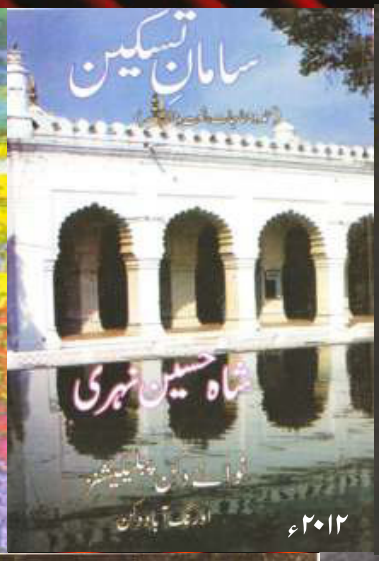

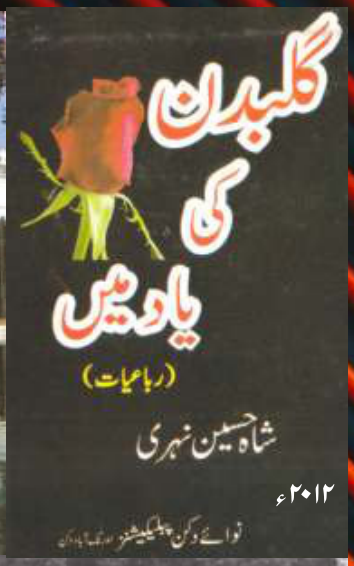

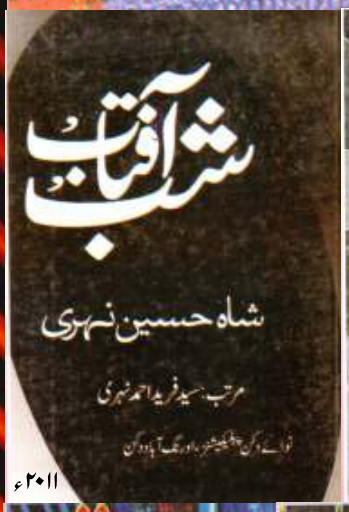

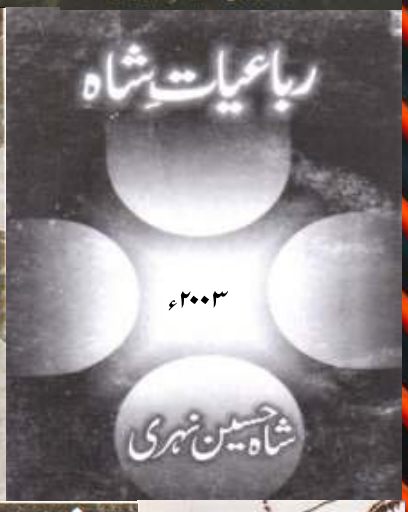

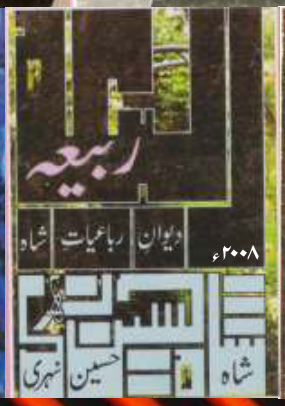

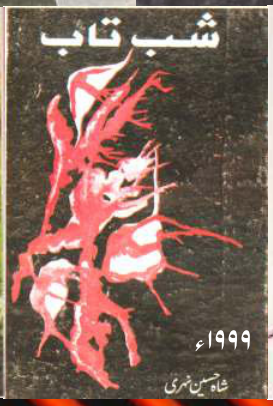

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 *Issue 42*
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

یادگار لمحات

● ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی، شاہ حسین نہری، علیم صبا نویدی، اشفاق احمد اور ڈاکٹر یوسف صابر، گوشۂ شفیع احمد شفیع کے اجراء کے موقع پر شہناز فنکشن ہال اورنگ آباد۔ (۲۰۱۵ء)

● شاہ حسین نہری، علیم صبا نویدی، ڈاکٹر سلیم نواز جعفرآبادی، ڈاکٹر یوسف صابر، بشر نواز اور شفیع احمد شفیع، گوشہ شفیع احمد شفیع کے اجراء کے موقع پر شہناز فنکشن ہال اورنگ آباد (۲۰۱۵ء)

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press,
Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at
P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 Issue 42
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

عبدالملک نظامی، ڈاکٹر دوست محمد خان، ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر مسرت فردوس
احسن صدیقی اور ڈاکٹر محمد عبدالرافع (غالب اکاڈیمی دہلی ۔ مارچ ۲۰۲۳ء)

ڈاکٹر یوسف صابر و سیفی اعظمی سیف جنتور کے مشاعرے میں۔ جنوری ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر مسرت فردوس، معز ہاشمی، ابراہیم خان، شفیع احمد شفیع، سرتاج شاکر، سمیع الدین اطہر،
ڈاکٹر دوست محمد خان، ڈاکٹر شیخ عظیم الدین، غلام ثاقب، ندیم مرزا، گوشۂ علیم طاہر کے اجراء کے موقع پر،
''بیت الاشرف'' نزد پاکیزہ فنکشن اورنگ آباد۔ جنوری ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر ناصرہ بصری (صدر شعبۂ اردو، راجستھان یونیورسٹی جے پور) کو ''عکس ادب'' پیش
کرتے ہوئے۔ ساتھ میں ڈاکٹر مسرت فردوس، ڈاکٹر دوست محمد خان، ڈاکٹر محمد عبدالرافع، ڈاکٹر جواد اور
شاہد پٹھان۔ مارچ ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر دوست محمد خان، چیر پرسن ڈاکٹر ونود تبرے والا (جے جے ٹی یونیورسٹی) کو اپنی غزل گائیکی کی سی ڈی
پیش کرتے ہوئے۔ ساتھ میں ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر مسرت فردوس اور ڈاکٹر محمد عبدالرافع۔ مارچ ۲۰۲۳ء

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press,
Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at
P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

سہ ماہی

عکسِ ادب

اورنگ آباد

(اردو)

جلد(۱۲)　　شمارہ(۴۲)　　جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء

مدیرِاعلیٰ : ڈاکٹر یوسف صابرؔ(یوسف خان جبار خان) 09326772575

معاون مدیر : شرجیل احمد خان　موبائل : 09595686784

اعزازی مدیر : ڈاکٹر نخشب مسعود　موبائل : 09372012930

مینجنگ ڈائریکٹر : سیدہ فرزانہ نسیم　موبائل : 09423877584

سرپرست

☆ ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)

☆نورخاں (جالنہ)

مجلس مشاورت

- علامہ ناوک حمزہ پوری (حمزہ پور)
- علیم صبا نویدی (چنئی)
- ڈاکٹر معصوم شرقی (کولکتہ)
- ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ
- شفیع احمد شفیع (پربھنی)
- ڈاکٹر درانی الیس۔ایم (ناندیڑ)
- ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
- علیم طاہر (ممبئی)

مجلس ادارت

☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث

☆سید مسعود احمد قیصرؔ

☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق

☆وجاہت قریشی

☆طاہر حسین طاہرؔ

☆ڈاکٹر شاہ ایاز

☆ڈاکٹر حبیب النساء

☆ڈاکٹر سلیم نواز حشر

☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان

☆ابراہیم خان

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں

بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابر)

فی شمارہ	:	۵۰/روپے
زرسالانہ (بدست)	:	۲۰۰/روپے
زرسالانہ (بذریعہ پوسٹ)	:	۲۵۰/روپے
لائبریری کے لئے	:	۲۵۰/روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۳۰۰روپے
تاحیات خریداری بھارت	:	۳۰۰۰/روپے
بیرونی ممالک	:	۱۰۰۰۰ تا ۱۵۰۰۰ روپے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں :

Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278

SBI
S/Ac/No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط و کتاب کا پتہ

Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor : **Aks-e-Adab** *(Quarterly)*
P.No.174, S.No.201,
Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada Road,
Harsul, Aurangabad.
Dist. Post AURANGABAD (M.S.) 431008
Mobile : 09326772575
email : akseadab@gmail.com

Website : www.akseadaburdu.co.in

طباعت

نوری آفسیٹ پریس

مرزا غالب روڈ، جونا فاران اسپتال، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

''عکسِ ادب'' سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہوگی۔

ISSN 2320-6519

AKS-E-ADAB *(Quarterly)* Aurangabad.

☆ترتیب و تزئین☆

اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابر	۳
اسلامیات	سیدہ فرزانہ نسیم	۴
عکس ایماں	حمد و نعت	۵
	(ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل ، عبدالغفار راہی ، یوسف دیوان ، اثر صدیقی)	
مغز ادب	ڈاکٹر یوسف صابر	۶
☆مضمون		
پیپل	ڈاکٹر رفیع الدین ناصر	۷
برمحل اشعار اور ان کے ماخذ	خلیق الزماں نصرت	۸
ماہنامہ گگن کا ہندوستانی مسلمان نمبر.....	دانش روانوی	۹
شہر اورنگ آباد میں 'افسانچہ نگاری'.....	ڈاکٹر عظیم راہی	۱۰
آؤ 'ڈرائنگ روم' میں جھانکیں!	ڈاکٹر ضیاء الحسن	۱۱
پریم چند اور منٹو۔ چند مماثلتیں	ایس معشوق احمد	۱۴
تفہیم و ترسیل کا تجزیاتی مطالعہ	محمد شاہد پٹھان	۱۶
اورنگ آباد میں نثر نگاری کی روایات.....	عبدالقدیر خان سیفی	۱۸
عالمی سطح کا شاعر و ادیب بشر نواز	سمیع الدین اطہر	۱۹
عصری تعلیم کے مینارۂ نور.....	اختر صادق	۲۰
ناندیڑ کا پہلا ماہیہ نگار شاعر۔ سید طاہر حسین	ڈاکٹر یوسف صابر	۲۳
☆تعارف و تبصرے	ڈاکٹر یوسف صابر	۲۴
☆مختصر افسانے		
	''دولت کی آر'' سیماب منظر	۲۹
موت کا چہرہ	ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری	۳۰
ایک مسیحا ایک قصائی	ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری	۳۱
وجود کی شناخت	وجاہت قریشی	۳۳
☆خاکچے	مرزا ندیم	۳۵
☆منی افسانے و افسانچے		
منی افسانہ خیرات کی افطاری	علیم خان فلکی	۳۶
افسانچہ سر درد	محمد علیم اسماعیل	۳۶
افسانچہ دہشت گرد	ارشد صدیقی	۳۶
افسانچہ دین اور دنیا	ڈاکٹر یوسف صابر	۳۶
منی افسانہ بود نابود	ڈاکٹر نخشب مسعود	۳۶
افسانچہ اطمینان	ڈاکٹر عظیم راہی	۳۷
☆مضامین		
مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت غزل گو	ڈاکٹر محمد اقبال آہ جرمن	۳۸
جنوبی ہند میں افسانوی نثر کے ابتدائی نقوش	سنتر انو گھڑے	۴۰
خصوصی گوشہ (شاہ حسین نہری)		۴۲تا۵۹
قلمی تعاون ☆نورالحسنین☆پروفیسر عاقلہ شبلی☆مرزا احسن ناصر☆طہور منصوری نگاہ☆اسلم مرزا ☆وصیل خان☆ڈاکٹر سحر سعیدی☆رئیس الدین رئیس☆علیم صبا نویدی☆ڈاکٹر ابو اسامہ ابن آدم ☆مولانا محمد فاروق خان، فراز سلطانپوری☆ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی☆ڈاکٹر یوسف صابر☆ڈاکٹر عقیل ہاشمی		
☆شاعری		۶۰
ماہیے	شفیع احمد شفیع، نذیر فتح پوری، ڈاکٹر یوسف صابر، طٰہٰ صدیقی، طاہر حسین طاہر	۶۰
غزلیں	ڈاکٹر محمد مستمر، الطاف اقبال، تمیز پرواز، ظفر اقبال ظفر	۶۱
	عزیز اثر رحمانی	۱۷
	چشتی سلیم بیدرد	۲۸
	ڈاکٹر قمر سرور	۳۹
	جاوید انصاری	۴۷
تہنیت نامہ	ستار فیضی کڑپوی	۲۹
نثری نظمیں	اختر صادق	۳۲
☆مضمون مجروح سلطانپوری کی غزل گوئی.....	ڈاکٹر شیخ عبدالوہاب	۶۲
☆اخبار عکس ادب		۶۳
☆خلوص عکس ادب (منتخب خطوط)		۶۴

کافی نہیں ہوا و بال و پر جہان میں
کچھ حوصلہ بھی ہوتا ہے لازم اڑان میں

ڈاکٹر یوسف صابر

لائف ممبران

(۱) عتیقہ اطہر موسیٰ	(اورنگ آباد)	(۳۱) سید غازی علی غازی	(جالنہ)
(۲) قاضی خسرو	(اورنگ آباد)	(۳۲) تحسین درانی	(جالنہ)
(۳) ڈاکٹر مسرت فردوس	(اورنگ آباد)	(۳۳) عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)
(۴) ڈاکٹر کیرتی جاؤلے	(اورنگ آباد)	(۳۴) ڈاکٹر نسیم بیگم	(پربھنی)
(۵) انصاری ابرار احمد	(اورنگ آباد)	(۳۵) ڈاکٹر سلیم محی الدین	(پربھنی)
(۶) مہر سلطانہ جبار قریشی	(اورنگ آباد)	(۳۶) خضر احمد خان شرر	(پربھنی)
(۷) ڈاکٹر عبدالرب	(اورنگ آباد)	(۳۷) حبیب النساء	(پربھنی)
(۸) سید وہاب الحق	(اورنگ آباد)	(۳۸) ڈاکٹر قاضی کلیم	(پربھنی)
(۹) محمد سعید احمد محمد سردار	(اورنگ آباد)	(۳۹) ڈاکٹر شبانہ درانی	(ناندیڑ)
(۱۰) ڈاکٹر فرحت نسرین	(اورنگ آباد)	(۴۰) ڈاکٹر ارشاد احمد خان	(ناندیڑ)
(۱۱) ڈاکٹر شرف النہار	(اورنگ آباد)	(۴۱) شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(ناندیڑ)
(۱۲) ڈاکٹر معین فاطمہ	(اورنگ آباد)	(۴۲) اظہر احمد غلام یزدانی	(ناندیڑ)
(۱۳) ڈاکٹر مخدوم فاروقی	(اورنگ آباد)	(۴۳) اختر صادق	(ناندیڑ)
(۱۴) مولانا آزاد کالج	(اورنگ آباد)	(۴۴) محمد اختر	(ناندیڑ)
(۱۵) شیخ شہلا سلطانہ	(اورنگ آباد)	(۴۵) ڈاکٹر سید اصفیہ مدنی سید زکریا	(بیڑ)
(۱۶) برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول	(اورنگ آباد)	(۴۶) ڈاکٹر سید فرید احمد نہری	(بیڑ)
(۱۷) ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم	(اورنگ آباد)	(۴۷) ڈاکٹر عظمیٰ تسنیم	(پونہ)
(۱۸) اسماء روحی قادری	(اورنگ آباد)	(۴۸) ڈاکٹر عنبر خاتون	(ہزاری باغ)
(۱۹) شیخ ظہور احمد	(اورنگ آباد)	(۴۹) ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل	(ہزاری باغ)
(۲۰) ابراہیم خان لیاقت خان	(اورنگ آباد)	(۵۰) رشید ضارب	(حیدرآباد)
(۲۱) ڈاکٹر قمر النساء	(خلد آباد)	(۵۱) ڈاکٹر عقیلہ سید غوث	(امبہ جوگائی)
(۲۲) مبین نذیر	(مالیگاؤں)	(۵۲) ڈاکٹر مقبول احمد مقبول	(ادگیر)
(۲۳) مقصود اشرف	(مالیگاؤں)	(۵۳) ڈاکٹر خالد مبشر	(دہلی)
(۲۴) ڈاکٹر شاہ ایاز	(مالیگاؤں)	(۵۴) سید سمیع الدین	(بدر)
(۲۵) ڈاکٹر شاداب روش	(مالیگاؤں)	(۵۵) J.J.T.University	(راجستھان)
(۲۶) انصاری عتیق احمد محمد شعبان	(مالیگاؤں)	(۵۶) محبوب پاشا اعظمی	(چنئی)
(۲۷) سٹی کالج	(مالیگاؤں)	(۵۷) ڈاکٹر نکہت آراء	(شولاپور)
(۲۸) خان عبدالغفار خان کالج	(پاتھری)	(۵۸) شیخ ارم فاطمہ	(نلنگہ)
(۲۹) عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)	(۵۹) ڈاکٹر محمد ناصر اللہ انصاری	(لاتور)
(۳۰) ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفر آبادی	(جالنہ)	(۶۰) احمد عباس خان	(ایوت محل)

اداریہ

یہ ضروری نہیں ہر تیر نشاں تک پہنچے
حق ہو آواز تو پہنچا دو جہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابؔر)

ماہیہ نگاری ایک انتہائی دلکش شعری صنف ہے مگر بہت کم شعراء نے اب تک اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ یہ صنف عالمی سطح پر مقبول ہوئی ہے اس کے باوجود اس صنف نے اپنی ارتقائی منزلیں اتنی طئے نہیں کی ہیں جتنی اسے کرنا چاہئے تھی۔ ماہیہ نگاری کا فن اتنا مشکل نہیں ہے، لیکن اکثر شعراء اس کے فنی تقاضوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ اس سے کتراتے ہیں۔ مہاراشٹر میں چند شعراء ہیں جنھوں نے اس فن کو فروغ دینے میں دل و جان سے محنت کی اور کامیابی بھی حاصل کی۔ ان میں نذیر فتح پوری، راقم الحروف اور طاہر حسین طاہر بھی شامل ہیں۔ ''عکس ادب'' کے آئندہ شماروں میں ماہیوں کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی جائے گی، جو شعراء ماہیے تخلیق کر سکتے ہیں وہ وہاٹس اپ کے ذریعے ''عکس ادب'' تک پہنچائیں۔ اگر ماہیے قابل اشاعت ہوں گے تو ''عکس ادب'' کے آئندہ شماروں میں شائع کئے جائیں گے۔ ماہیہ نگاری کے لئے صرف دو اوزان ہی مستند ہیں اس لئے ان ہی دو اوزان میں ماہیے روانہ کریں۔ ان دو اوزان کے علاوہ دیگر اوزان استعمال کئے گئے تو ان ماہیوں کو ''عکس ادب'' میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ قابل اشاعت ماہیوں کے دو اوزان اس طرح ہیں۔

(۱)	(۲)
مفعول مفاعیلن	فعلن فعلن فعلن
فعل مفاعیلن	فعلن فعلن فع
مفعول مفاعیلن	فعلن فعلن فعلن

''عکس ادب'' کی جانب سے ماہیہ نگاری پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہوسکتی ہے تو کتنی ہوسکتی ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔

خاکسار

ڈاکٹر یوسف صابؔر

مدیر اعلیٰ

☆☆☆

﴿دینی معلومات﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لئے دعا فرمانا اور رونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے : رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ [ابراہیم:۳۶] کی تلاوت فرمائی اور یہ آیت جس میں عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے : اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [المائدہ۱۱۸] کی بھی تلاوت فرمائی۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ میری امت، میری امت اور آپؐ پر گریہ طاری ہوگیا تو اللہ نے فرمایا: اے جبریل! جاؤ محمدؐ کے پاس، حالانکہ تیرا رب خوب جانتا ہے۔ ان سے پوچھو کہ آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور جو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کو اس کی خبر دی، حالانکہ وہ اللہ سب سے زیادہ (اور سب کچھ) جاننے والا ہے تو اللہ نے فرمایا: اے جبرئیل جاؤ محمد ﷺ کی طرف اور ان سے کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو نہیں بھولیں گے۔ **(مسلم: ۴۹۹)**

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل

خدا تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے کمالات اس قدر عطا فرمائے تھے کہ کسی کو اس قدر نہیں دیئے۔ اگر ان کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک عمر چاہئے۔ اس لئے یہاں مختصراً مجملاً لکھا جاتا ہے کہ کمالات دو قسم کے ہیں: ایک غیر اختیاری۔ ان میں بھی آپ ساری دنیا کے اہل کمال سے ممتاز تھے۔ مثلاً حسن، قوت عقل، صحت فہم، فصاحت لسان، قوت حواس، قوت اعضاء، شرافت نسب، عزت قوم وغیرہ اور غذا اور نوم اور لباس اور مسکن اور مال اور جاہ ان ہی کمالات کے لواحق میں سے ہیں۔ دوسرے وہ کمالات کہ کسب سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو آخرت کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں: دینداری، علم، حلم، صبر، شکر، عدل، زہد، تواضع، عفو، عفت، جود، شجاعت، مروت، خاموشی، رحمت، حسن ادب، حسن معاشرت وغیرہ اور حسن خلق شامل ہے۔ یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ ان تمام مذکورہ صفات میں کامل بلکہ اکمل تھے۔ اگر ان کی تفصیل مع تمثیل کے لکھی جائے تو طول کا خوف ہے۔ لہٰذا اسی اجمال پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ماخوذ: تفسیر قرآن)

از : سیدہ فرزانہ نسیم (اورنگ آباد)

9326772575

عکسِ ایمان

حمدِ باری تعالیٰ

ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ (ہزاری باغ)
موبائل : 9113750958

میں نے جب جب تجھے پکارا ہے
تیرا ہر دم ملا سہارا ہے

تو ہی ہر پل ثنا کے ہے قابل
اس کا قرآں میں بھی اشارہ ہے

حمد لکھتا رہوں میں رب تیری
ورنہ ہر پل مرا خسارہ ہے

عصر حاضر میں منتشر ہم ہیں
آج امت یہ پارہ پارہ ہے

کیا یہ سازش ہے غیر کی مولیٰ
یا گناہوں کا گوشوارہ ہے

لب پہ خوشدلؔ کے ہے دعا اتنی
اے خدا بس تو ہی ہمارا ہے

حمد

غفار راہی

آسرا میرے دل کا لا الہ الا اللہ
عرش پہ لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ

کتنی میٹھی باتیں تھی آپ کی خدا جانے
پتھروں نے پڑھ ڈالا لا الہ الا اللہ

چاہے دم نکل جائے یوں بلالؓ کہتے تھے
تب بھی منہ سے نکلے گا لا الہ الا اللہ

کائنات عالم میں جب بھی تولا جائے گا
سب سے بھاری نکلے گا لا الہ الا اللہ

دشمنوں نے ڈالی تھی دھول ہر گھڑی لیکن
چاند کی طرح چمکا لا الہ الا اللہ

لٹ رہی ہو جب دنیا رو رہے ہوں گھر والے
لب پہ میرے مولا ہو لا الہ الا اللہ

نعت

یوسف دیوان (ممبئی)
موبائل : 8850131795

ہوگیا درشن رخِ انوار کا
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

اس زمیں تک ہی نہیں موقوف یہ
تذکرہ کونین میں سرکار کا

خوش نصیبی آپ کی امت میں ہم
ہے بڑا انعام پالنہار کا

اس کا رتبہ بادشاہوں سے بڑا
جو بھی خادم احمد مختار کا

حضرتِ حسان نے جیسا کہا
ویسا ڈھب آئے مجھے اشعار کا

جب تخیل کا دریچہ وا ہوا
ہوگیا احساس اک مہکار کا

جو تمنا دل کی ہے پوری بھی ہو
جز بنوں میں حلقۂ ابرار کا

اے خدا یوسفؔ کو بھی توفیق دے
ہو مقلد سنت و کردار کا

☆☆☆

مناجات

اثر صدیقی (مالیگاؤں)
موبائل : 9270057077

قلب میں نور، مری فکر میں دریا رکھ دے
میرے دامن میں اگر چاہے تو صحرا رکھ دے

کاسۂ فکر ہے محرومِ خیالات خدا!
گھونسلا سونا پڑا ہے تو پرندہ رکھ دے

درد مہماں نہ ہوا کتنی بہاریں گذری
نوکِ مژگاں پہ کوئی اشک کا تحفہ رکھ دے

گم نہ ہوجاؤں میں الفاظ کے جنگل میں خدا !
میرے شعروں میں کہیں میرؔ کا لہجہ رکھ دے

وہ تو سرشار ہے جگنو کو مقید کر کے
مرے ہاتھوں پہ ستاروں کا سلیقہ رکھ دے

تمکنت خیز ہوا جاتا ہے موجوں کا جلوس
بحرِ مغرور کے سینے پہ سفینہ رکھ دے

اجنبی راہ میں پُرجوش مسافر کے لئے
شب کی محراب میں اک چاند کا ٹکڑا رکھ دے

☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

سفرِ ادب

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد)
موبائل: 9326772575

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے ''تحفۂ احمدیہ'' کلکتہ (ہفتہ وار) کے لئے ترتیب دینے کا کام کیا۔ اس کے مدیر مولوی سید احمد حسن تھے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد ''خدنگ نظر'' لکھنؤ (ماہنامہ) کے نثری حصے کی ترتیب کا کام سنبھالتے تھے۔

☆ ''لسان الصدق'' کا پہلا شمارہ ۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ء کو ہادی پریس، ہرلین روڈ کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ادارت میں شائع ہونے والا پہلا ماہنامہ تھا۔

☆ رانچی کی نظر بندی کے بعد مولانا آزاد ۱۸ر جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پہلی بار گاندھی جی سے ملے۔

☆ ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو کلکتہ سے ہفتہ وار ''پیغام'' کا اجراء زیر ادارت عبدالرزاق ملیح آبادی اور زیر نگرانی مولانا ابوالکلام آزاد عمل میں آیا۔

☆ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کو ان کے گھر سے گرفتار کیا گیا اور وہ ۲۶ر جنوری ۱۹۲۳ء کو رہا کئے گئے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۰۳ء میں درس نظامی مکمل کیا۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے میتا خان سے موسیقی کی تعلیم حاصل کی۔

☆ ''اعلان الحق'' مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی تصنیف تھی جو عثمانی پریس کلکتہ سے ۵ر جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی۔

☆ ۱۹۰۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ''تذکرۃ الشعراء'' لکھنا شروع کیا تھا۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے دس گیارہ سال کی عمر سے شاعری شروع کردی تھی۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے امیر مینائی، داغؔ دہلوی اور مولوی ظہیر احسن شوقؔ نیموی سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے فارسی زبان میں بھی شاعری تخلیق کی۔

☆ ''سب لوگ جدھر وہ ہیں اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں''

یہ شعر مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۶ء تک الہلال، البلاغ، قولِ فیصل، پیغام، الہلال ثانی، ترجمان القرآن، غبارِ خاطر اور مختلف موقعوں پر خطبات و تقاریر کے ذریعے اپنے بلند و بانگ اسلوب کا رنگ جمایا۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے نعتیں بھی تخلیق کی ہیں۔

☆ موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتداء میں طبع رواں منتھی ہوئی

(یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی نعت کا مطلع ہے۔ یہ نعت اپریل ۱۹۰۰ء میں ''سفینۂ نجات''، ممبئی میں شائع ہوئی)

☆ مولانا ابوالکلام آزاد نے شاعری میں غزلیں، نعتیں، قطعات، رباعیات، اورابیات بھی تخلیق کئے ہیں۔

☆ اَلپنچ (ہفتہ وار) پٹنہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی نثری تحریریں شائع ہوئی ہیں۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کی ادارت میں نکلنے والے ''لسان الصدق'' کا زمانہ نومبر ۱۹۰۳ء تا مئی ۱۹۰۵ء ہے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک ''الندوہ'' کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ اس دوران ان کی متعدد تحریریں اس میں شائع ہوئیں۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد ۱۸ر برس کی عمر میں ''وکیل'' امرتسر (اخبار) کے مدیر بنے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال'' (ہفتہ وار) کا اجراء ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو ہوا تھا۔

☆ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو ''البلاغ'' کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔

☆ ۳۱ر مارچ ۱۹۱۶ء تک ''البلاغ'' کے ۱۷ر شمارے شائع ہوئے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد ۸ر جولائی ۱۹۱۶ء کو پہلی بار رانچی میں نظر بند کئے گئے۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد ۸ر جولائی ۱۹۱۶ء سے ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء تک رانچی میں نظر بند رہے۔

☆ عربی کا پہلا ماہوار رسالہ ''الجامعہ'' مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں کلکتہ سے کیم اپریل ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔

☆ ''الہلال ثانی'' کا پہلا شمارہ ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء کو نکلا تھا۔

☆ ''ترجمان القرآن'' مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر قرآن ہے یہ پہلی بار ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

☆ ۳ر مارچ ۱۹۱۶ء کو ڈیفنس آرڈیننس (۲) کی رو سے مولانا ابوالکلام آزاد کو بنگال چھوڑنا پڑا، جس کی وجہ سے ''البلاغ'' اور اس کے پریس کو بند کرنا پڑا۔

☆ ترجمان القرآن وقفے وقفے سے تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

☆☆☆

مضامین

پیپل

کئی بیماریوں کے لئے اکسیر

ڈاکٹر رفیع الدین ناصر
مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد۔ M.9422211634

مختلف نام :

اردو، ہندی اور فارسی : پیپل مرہٹی : پمپڑ

سائنسی نام: فائیکس ریلی جی اوسا

(*Ficus religiosa* L.)

خاندان : Moraceae

دستیابی: ایک بہت بڑا اور مشہور درخت ہے جو ہندوستان میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ چونکہ ہندو قوم اس کو مقدس مانتی ہے اس لئے یہ منادر کے اطراف عام طور پر اگائے جاتے ہیں۔

ہیئت: درخت بلند، گھنا و شاندار ہوتا ہے۔ پتوں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے، گول، لمبے اور نوکدار ہوتے ہیں۔ پتوں میں رگیں گہری اور کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اس کی کونپلیں ہلکے گلابی سفید رنگ کی ہوتی ہیں جو دیکھنے میں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔

طبی استعمال :

بیرونی استعمال : موسم سرما میں اگر ہاتھ پاؤں پھٹ جائیں تو پیپل کا دودھ یا رس بھر دیں آرام ہو جائے گا۔ ۵۰ گرام پیپل کے دودھ میں ایک رتی گندھک ملا کر پھائے کی مدد سے زخم پر لگانے سے زخم اچھا ہوتا ہے۔ پیپل کی چھال کو گھس کر ورموں پر لگانے سے مواد پکتا ہے اور ورم تحلیل ہو جاتے ہیں۔

کھانسی کے لئے: سائے میں خشک کئے گئے پیپل کے پتوں کو باریک پیس کر قدرے گوند ملا کر پانی کے ہمراہ گولیاں تیار کر لیں۔ ان گولیوں کو چوسنے سے کھانسی دور ہوتی ہے۔

دمہ کے لئے: پیپل کے پھل کو سائے میں خشک کر لیں اور پیس کر دیسی کھانڈ ملا کر ایک تولہ کی مقدار میں استعمال کرنے سے دمہ دور ہوتا ہے۔ صرف مرد اس کے خشک پھل کا سفوف بنا کر اگر پانی کے ساتھ استعمال کریں تو دمہ دور ہوتا ہے جبکہ عورت کے استعمال کرنے سے وہ پھر حاملہ نہیں ہوسکتی۔

ہچکی بند ہونے کے لئے: پیپل کے تنہ کی چھال کی راکھ پانی میں ملا کر پینے سے ہچکی دور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تنہ کی لکڑی کو جلا کر کوئلہ بنا کر اس کو پانی سے بجھائیں، کوئلوں کا بجھا ہوا پانی مریض کو پلانے سے ہچکی فوری بند ہو جاتی ہے۔

ہیضہ کے لئے: پیپل کے تنہ کی چھال جلا کر تازہ پانی میں بجھا لیا جائے اور پانی کو کورے گھڑے میں رکھا جائے تا کہ سرد رہے۔ یہ پانی ایک ایک گھنٹہ کے بعد تھوڑا تھوڑا پلانے سے سخت ہیضہ دور ہو جاتا ہے۔

پیاس کی زیادتی : درج بالا پانی کے استعمال سے بھی پیاس کی زیادتی دور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پیپل کی چھال ۱۰ تولہ ایک گھڑے کے پانی میں ڈل دیں، اس پانی کے استعمال سے پیاس کی زیادتی دور ہوتی ہے۔

سوزاک کے لئے : درخت کی چھال (ترجیحاً جڑ کی چھال) ۵۰ گرام لے کر کوٹ لیں۔ نصف سیر پانی میں پکائیں۔ جب پانی کی مقدار نصف رہ جائے تو چھان کر ایک تولہ مصری ملا کر وقفہ وقفہ سے پلائیں۔ سوزاک دور ہوگا۔ اس دوران گرم اور قابض چیزوں سے پرہیز کریں۔

پیٹ کے درد کے لئے: پیپل کے ۲ پتے گڑ میں لپیٹ کر کھانے سے پیٹ کا درد دور ہوتا ہے۔ اگر پیٹ میں جلن ہو تو پھل کو کوٹ کر کالی مرچ ملا کر پلانے سے دور ہوتی ہے۔

خونی بواسیر: لکڑی کے انگاروں کو برتن میں بند کر کے، کوئلہ کو باریک پیس لیں۔ اس پاؤڈر کو باسی پانی کے ساتھ صبح و شام ایک ایک تولہ استعمال کرنے سے دو دن میں اثر ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال ایک دو ہفتہ کریں۔

دیگر فوائد:

پیپل کا پھل سائے میں سکھا کر چورن بنا کر صبح و شام گائے کے نیم گرم دودھ کے ساتھ ایک تولہ استعمال کریں۔ یہ عمدہ قبض کشا، ہاضم، مغلظ اور ممسک ہے۔

☆☆☆

برمحل اشعار اور ان کے ماخذ

(چوتھی قسط)
خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)
موبائل : 8530172682

دردؔ

تجھ سے مر جائیں گے تو مر جائیں
جان ہے تو جہان ہے پیارے
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۱۶۹)

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۶۴)

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
(تذکرہ میر حسن، ص۷۵، دیوان خواجہ میر درد، ص۶۴)

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
(دلی کا دبستانِ شاعری، ص۲۴۹، دیوان خواجہ میر درد، ص۶۳)

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے
(غزل انسائیکلوپیڈیا، ص۴۱، دیوان درد، ص۱۶۳)

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
(دیوان درد، ص۱۵۲)

باوجود یہ کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
(دیوان دردؔ، ص۶۶)

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
(غزل انسائیکلوپیڈیا، ص۴۰، دیوان دردؔ، ص۶۶)

علاجِ دردِ سر صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اس کا درد سر ہے
(دیوان خواجہ میر درد، ص۱۷۷)

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۱۴۸)

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۶۷)

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۶۳)

ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے
(آبِ حیات، ص۱۸۳، دیوان خواجہ میر درد، ص۱۴۵)

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر، یہ مذکور نہ تھا
(دیوان خواجہ میر دردؔ، ص۶۶)

(دیوان خواجہ میر دردؔ، مرتبہ فاروق ارگلی، فرید بک ڈپو دلّی، مملوکہ خلیق الزماں نصرت)

میر تقی میرؔ

کہتے ہیں مرنے والے یاں سے گئے
سب یہیں رہ گئے کہاں سے گئے
(کلیات میرؔ، ص۸۲۲)

جب نام تیرا لیجے، تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
(کلیات میرؔ، ص۲۸۶)

ہم نے بھی سیر کی تھی چمن کی پر اے نسیم
اٹھتے ہی آشیاں سے گرفتار ہوگئے
(کلیات میرؔ، ص۲۹۵)

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے
(کلیات میرؔ، ص۶۷۷)

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
(گلستان، ص۱۱۹، کلیات میرؔ، ص۳۳۰)

تری چال تیڑھی تری بات روکھی
تجھے میرؔ سمجھا ہے یاں کم کسو نے
(کلیات میرؔ، ص۴۸۱)

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں کوئی جیسے دل کو ملا کرے ہے
(کلیات میرؔ، ص۵۰۴)

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
(شعرستان، ص۴۸۶، کلیات میرؔ، ص۳۶۳)

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خوں کی اک گلابی سے
(کلیات میرؔ، ص۳۳۰)

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے
(کلیات میرؔ، ص۱۲۰)

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا
(کلیات میرؔ، ص۱۳۶)

(جاری)

ماہنامہ گگن کا ہندوستانی مسلمان نمبر۔ایک جائزہ

(چھٹی قسط)

محمد احمد دانش روانوی (بجنور)

موبائل : 9759418047

''زبانِ اردو اور متعصب اردو داں''، مضمون میں سرور تونسوی نے دہلی اور لکھنؤ میں اردو زبان کے لہجے و اسلوب میں تذکیر و تانیث اور دیگر قواعد زبان کے تضاد پر پُرمغز بحث کرتے ہوئے روشنی ڈالی ہے کہ مذکورہ اختلاف جس پر ہم فخر کرتے ہیں محض ہمارے لسانی تعصب کا نتیجہ ہے، یہ اردو زبان کے لیئے قابل افتخار کم ہوکر اردو کی بیخ کنی کا سبب زیادہ ہے۔

''بنگال اور بنگالی مسلمانوں کے مسائل'' اس مضمون میں شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے انتہائی تفصیل کے ساتھ غیر منقسم بنگال (جس میں بہار، آسام اور مشرقی بنگال بھی شامل ہیں) میں مسلمانوں کے لسانی، سماجی اور تہذیبی مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے اردو لسانی اور بنگلہ لسانی مسلمانوں کے تہذیبی و لسانی ٹکراؤ اور لسانی تضاد کے مضمرات کا جائزہ لیا ہے اور انہی خطوط پر بنگال کے مسلمانوں کے سیاسی تضاد اور سماجی عدم ہم آہنگی پر سوالات کھڑے کئے اور بتایا کہ لسانی اور تہذیبی تعصب ہی قوموں کے بکھراؤ اور تقسیم کا سبب بنتا ہے۔

حامد الانصاری غازی نے اپنے مضمون ''ہم سب ہندوستانی ہیں'' میں مسلمانوں اور برادران وطن کی رواداری اور یگانگت کا مختلف تاریخی ادوار میں تذکرہ کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ ہر دور میں مختلف فرمانرواؤں کے معتمد خاص اور صدور، دیوان دوسرے مذاہب کے لوگ رہے ہیں ہندوستان سے مسلمانوں کا رشتہ بحیثیت وطنی سکونت کے علاوہ مذہبی و روحانی قدروں پر استوار رہا ہے۔ احادیث و تفاسیر اور تواریخ سے ثابت ہے کہ پہلا انسان اور پہلا پیغمبر سیدنا حضرت آدمؑ جن کی پیشانی میں نور محمدی ﷺ کو بھی بطور امانت رکھا گیا تھا۔ آدمؑ کا ظہور بھی اسی سرزمین پر ہوا ہے۔ جس کو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے شعر ؎

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

کی عملی تفسیر میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ کرشن چندر نے اپنے مضمون ''قومی مزاج کی تشکیل'' میں کلچر، تہذیب و تمدن کی رنگا رنگی اور تنوع کے تناظر میں غربت، جہالت زراعتی اور صنعتی پسماندگی جیسے مشترکہ اور یکساں مسائل کا ذکر کرتے ہوئے سیکولر اور جمہوری قوتوں کے ذریعہ بلاتفریق ہندو مسلم، غیر فرقہ وارانہ سیاست کے خطوط پر قومی مزاج کی تشکیل کرتے ہوئے مذکورہ مسائل کا حل نکالنے کی سعی و کاوش پر زور دیا ہے۔

ڈاکٹر ایشوریا ٹوپا کے مضمون ''ہندوستانی مسلم حکمرانوں کے سیاسی اصول'' جس کی تلخیص اسیم کاویانی نے کی ہے۔ اس میں صاحب مضمون نے ہند و عرب کے لوگوں کے جذبۂ خیر سگالی، رواداری، علم و فن نیز تہذیب و ثقافت کی باہم اخذ و قبولیت اور منتقلی، ہندوستان میں مختلف حکومتوں کے ادوار کی امتیازی خصوصیات پر مفصّل روشنی ڈالی ہے۔ عربی عہدِ حکومت، غزنی حکومت، غوری حکومت، بلبن عہد حکومت، خلجی عہد حکومت، فیروز شاہی عہد حکومت، کیقبادی عہد حکومت اور تغلق عہد حکومت کے

ہندوستانی مسلم راج کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ سیر حاصل اور معلوماتی مضمون ہے۔ جس میں مختلف عہد حکومت کے سربراہوں کی صلاحیتوں، کمزوریوں اور سیرت و کردار کی خوبیوں سے بحث کی گئی ہے۔

جی ایم سید کے تفصیلی مضمون ''قومیت، دینی حکومت اور جہاد'' میں قوم کی نسلی، شہری زندگی، مذہبی اعتقاد، سامراجی حکومت اور وطن کی بنیاد پر تشریح کی گئی ہے۔ رسول مقبولؐ کی ملّی زندگی میں مذہب کو خلافت اور حکومت سے الگ دیکھتے ہوئے مدنی زندگی میں نظام حکومت کو مذہب کے ساتھ جز وقتی اختلاط سے تعبیر کیا گیا۔ نظام دین کے حقائق کا ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ مذاہب میں قائم دور حکومت و طرز حکومت سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اس کی افادیت و عدم افادیت سے بحث کی گئی ہے۔ اسی تناظر میں مسلم دور حکومت میں مختلف بادشاہوں کے نظام حکومت کا زمانی اعتبار سے ان کے طرز حکومت کا تاریخی تناظرات میں مختلف اسلامی حکومتوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نظریہ مذکور کا مسلم قوم کے تعلق سے افادیت اور مذکورہ شہنشاہوں کے ذاتی اغراض و مقاصد سے بحث کرتے ہوئے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا باب بعنوان ''قلم بہ قلم'' میں ضبط تحریر میں لائے گئے شامل اشاعت مضامین جن کے مصنفین میں معروف صحافی، ادیب، سماجی کارکن، علماء، سوشل ایکٹوسٹ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی، سیاسی، سماجی، لسانی، تہذیبی، اقتصادی و معاشی وغیرہ مسائل و معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ (جاری) ☆☆

ISSN 2320-6519
AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

شہر اورنگ آباد میں 'افسانچہ نگاری' کا رجحان ___ ایک اجمالی جائزہ

قسط دوم

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

پہلے مجموعے 'یادوں کے سائباں' میں ۱۲۰/صفحات پر ۱۰۲/افسانچے شامل ہیں جس کا پیش لفظ 'بڑی بات' کے عنوان سے ممتاز افسانہ نگار نورالحسنین نے لکھا ہے۔ ان کے افسانچوں کے بارے میں نورالحسنین نے پیش لفظ میں ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''عارف خورشید کے افسانچے فلسفیانہ اور ناصحانہ انداز سے پاک ہیں۔ ان کے پاس خواہ مخواہ کی خود کلامی بھی نہیں ہے۔ مذہبی ملا ہو یا مشرق وسطیٰ میں روزگار کی خاطر بکھرے ہوئے افراد یا گھر کی چار دیواری میں مقید سانسیں، انھوں نے جس پر بھی قلم اٹھایا پوری بے باکی اور دیانت داری سے کاغذ پر منتقل کیا اور ایسا تاثر قائم کیا کہ دل و دماغ ایک جھٹکا سا محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔'' (ص ۱۰)

عارف خورشید نے مرد اور عورت کے رشتے اور جنسی بے راہ روی کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے۔ ایم مبین اسی سبب انھیں منفی کرداروں اور رجحانات کا افسانہ نگار بتاتے ہیں اور کہتے ہیں عارف عورت کی طرف صرف ایک نظریے سے دیکھتے ہیں اور وہ صرف جنس کا نظریہ' ان کو عورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا' اس لئے ان کے بیشتر افسانچوں میں عورت اور جنسیات کے موضوع کو بڑی بیباکی سے ابھارا گیا ہے۔ جبکہ نورالحسنین موضوع کی سطح پر ان کے اس رجحان کو ان کی انفرادیت قرار دیتے ہیں اور اسے تیسری سچائی سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ان کے پاس تیسرا مرد تیسری عورت بلکہ تیسری سچائی اور جرأت کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ جس کا سامنا رات کا اندھیارا تو کیا دن کا اجالا بھی نہیں کر سکتا۔ یہی بینائی انھیں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔'' (ص ۱۰)

مشترکہ مجموعہ 'آنکھوں کی زبان' میں ان کے ۲۵/ افسانچے شامل ہیں۔ پیش لفظ راقم الحروف نے لکھا ہے۔ عارف خورشید کے پاس موضوعات کی کمی نہیں' وہ چھوٹی سی بات کو بھی اپنے افسانچے کا موضوع بنا لیتے ہیں۔ وہ راست ماحول سے کہانی کا مواد حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے جہاں ان کی کہانیاں زندگی سے قریب ہوتی ہیں وہیں اپنی ذات کا روپ بن کر آئینہ بن جاتی ہیں۔ پل پل بدلتی قدریں' نسلی تفاوت' سماجی منافقت' ریاکاری' مصلحت پسندی' استحصال' فراریت' حالات کی ستم ظریفی اور ایسے سارے مسائل جن سے آج کا انسان دوچار ہے۔ عارف خورشید کا اپنا احساس بن کر تخلیق پاتے ہیں اور جیتی جاگتی زندگی بن جاتے ہیں۔ وہ زندگی جہاں آدمی جینے کے لئے سمجھوتے کرتا ہے تو کبھی ان ہی سمجھوتوں کے خلاف آواز بھی اٹھاتا ہے۔ عارف خورشید نے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پوری سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

'اور کچھ بھی نہیں کہانی میں' ان کے افسانچوں کا چوتھا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے' اس مجموعہ میں ۸۵/افسانچے شامل ہیں۔ افسانچوں کے مجموعوں کے ساتھ ہی عارف خورشید نے افسانچے کی مقبولیت اور اپنی گہری وابستگی کے سبب ۱۹۸۷ء میں روزنامہ 'مفسر' کے ادبی صفحہ 'فن و فنکار' جس کے وہ مرتب تھے' میں افسانچہ نمبر شائع کیا تھا۔ جس کی مسلسل دس قسطیں شائع ہوئیں۔ اس افسانچہ نمبر میں ملک بھر کے مقبول افسانچہ نگاروں کے افسانچے مع تعارف شائع کیے گئے تھے جس میں اُن کی معاونت راقم الحروف نے کی تھی۔

عارف خورشید کے افسانوی مجموعہ 'وقت کے چاک پر' میں بھی ۵۲/افسانچے شامل ہیں۔ انھوں نے ایک اور مجموعہ ترتیب دیا تھا لیکن ان کے سانحہ ارتحال کے بعد وہ شائع نہ ہو سکا۔ اورنگ آباد کی افسانچہ نگاری میں عارف خورشید کا بڑا حصہ اور اہم کردار رہا ہے۔ بقول رفیق جعفر ''عارف خورشید مرحوم ایک کامیاب افسانچہ نگار بھی تھے اور افسانچہ کے میدان کے مجاہد اور نقاد بھی تھے۔''

عارف خورشید کے بعد اورنگ آباد میں راقم الحروف کا نام افسانچہ نگار کے طور پر آتا ہے۔ راقم الحروف کا پہلا منی افسانوں کا مجموعہ 'پھول کے آنسو' کے نام سے اکتوبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر عصمت جاوید نے راقم الحروف کے منی افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

''منی افسانہ مختصر افسانے کے مقابلے میں جداگانہ مہارت کا طالب ہوتا ہے۔ عظیم راہی اس کے ماہر نظر آتے ہیں۔'' (ص ۱۶)

آگے موضوعات کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

''ان کے منی افسانوں کا کینوس سماجی زندگی کے اکثر پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان افسانوں کے مختلف کردار ہیں۔ کوئی لیڈر ہے' کوئی سوشل ورکر' کوئی امیر ہے کوئی غریب' کوئی بیوہ ہے کوئی طوائف' کوئی وفادار محبوبہ ہے اور کوئی ایکٹریس' کوئی دولت مند جاہل ہے اور کوئی بیکار گریجویٹ۔'' (ص ۱۶)

(جاری)

آؤ 'ڈرائنگ روم' میں جھانکیں!

ڈاکٹر ضیاء الحسن (ناندیڑ)
موبائل : 09764127458

شیخ محمد صہبا نام ونمود اور شہرت سے بے نیاز رہ کر تمام عمر ادب کی خدمت کرتے رہے۔ اُردو ادب کا یہ سچا اور بے لوث خدمت گار ۳/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا۔ مختلف موضوعات پر اُن کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب زیرِ اشاعت ہے۔ خاکوں کے مجموعہ ''ڈرائنگ روم'' کو مہاراشٹر اُردو اکادمی نے انعام سے نوازا ہے۔

ایک شریف انسان کا دوسرے شریف انسان کے گھر میں جھانکنا شرفاء کی نظر میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ چاہے وہ کچن روم یا اسٹور روم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ہم قارئین کو جس روم میں جھانکنے کا (مفت) مشورہ دے رہے ہیں وہ سنگ وخشت سے بنا ہوا نہیں بلکہ کتابی شکل میں پورے ۱۷۰ صفحات پر پھیلا ہوا 'ڈرائنگ روم ہے۔ جس کے خالق مراٹھواڑہ کے صاحب طرز ادیب وکہنہ مشق شاعر شیخ محمد صہبا ہیں۔ اس کتاب میں موصوف نے حقیقی ڈرائنگ روم سے وابستہ اور ناوابستہ احباب کے ۲۱ خاکے لکھے ہیں۔ صہبا تخلص اختیار کرنے والے وہ ناندیڑ کے دوسرے شاعر ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا موضوع اُن کی نثر نگاری ہے۔ ڈرائنگ روم کا تفصیلی تعارف جملہ ۱۸ صفحات پر کرایا گیا ہے۔ کتاب کے بنیادی کردار کے بارے میں (جو ساری کتاب پر پوری طرح چھایا ہوا ہے) مصنف لکھتے ہیں کہ ''وہ عام آدمی ہرگز نہیں ہے۔ اس میں موجود صفات عالیہ ہر کسی کو اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ..... اس لیے ہم نے اس کردار کو ڈرائنگ روم کے میزبان کے روپ میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیا ہے تا کہ آنے والی نسلوں کے سامنے محبت' ایثار' قربانی' بے غرض دوستی کی زندہ مثال باقی رہ سکے۔'' (پیش لفظ)

ابتدائیہ کے تحت ایک سلجھے ہوئے نقاد پروفیسر یونس فہمی نے مصنف کی تحریروں کی خصوصیات کا جائزہ لیا ہے اور انھیں ایک انتہائی دیانتدار اور سچا نثر نگار قرار دیا ہے۔ پہلا مضمون ابوظہبی کے شیخ عبید بن سالم السا کوب المرروعی مرحوم پر لکھا گیا ہے جو بہت معلوماتی ہے۔ اس کے بعد کتاب کا باب اوّل آتا ہے جو ۳۸ صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (باب دوّم کا کتاب میں کہیں پتہ نہیں) باب اوّل میں مصنف نے گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑاتے ہوئے شہر ناندیڑ کے تاریخ و جغرافیہ' پرانے واقعات' ادبی' نیم ادبی' غیر ادبی' روحانی اور مادّی شخصیات کے علاوہ مقامی پہلوانوں کا ذکر بھی بڑے صحت مندانہ انداز میں کیا ہے۔ سب سے طویل خاکہ ''مالکِ ڈرائنگ روم'' (ظفر عبدالمبین' جو ڈرائنگ روم کے میزبان بھی ہیں) ۱۸ صفحات اور سب سے مختصر خاکہ ''نذیر اختر'' بمشکل ایک صفحہ ہے۔ اِس اختصار کی وجہ مصنف یہ بتاتے ہیں ''مجھے یقین ہے کہ مجھے وہ شایانِ شان الفاظ نہیں مل پائیں گے جو اُس کی شخصیت کا مکمل احاطہ کر سکیں۔'' (ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے) سب سے دلچسپ خاکہ شہر کی ایک قابل شخصیت اور فولادی مومن غلام صمدانی صمدؔ سابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کا ہے۔ شیخ صاحب اُن کی شخصیت کی تصویر کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔ ''وہ ایک انتہائی ذمہ دار انسان ہیں۔ مذہب اسلام کو وہ اس کے خالص رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں کسی بھی قسم کی ذرا سی ملاوٹ کو بالکل برداشت نہیں کرتے۔ اس وجہ سے اُن کے بارے میں لوگوں کی رائے منقسم ہے۔ جب کہ میری رائے میں وہ صد فیصد صحیح ہیں۔'' ''اُن کے جلال کی زد میں راقم الحروف کے علاوہ ہر کوئی آ چکا ہے۔'' پروفیسر یونس فہمی نے ابتدائیہ میں مصنف کے طرز تحریر کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی ہے کہ ''وہ الفاظ کے نازک استعمال سے بڑا کام لیتا ہے۔ ایک ماہر شعبدہ باز کی طرح الفاظ سے کھیل کر وہ قاری کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔'' چنانچہ لفظ تخلیقی عمل اور تخلیقات کی ذومعنویت ملاحظہ کریں۔ ''غلام صمدانی صاحب چونکہ ایک اصول پسند انسان ہیں اس لیے ان کا سب سے پیارا اصول یہ ہے کہ تخلیقی عمل بہر حال جاری رہنا چاہئے۔ اللہ مغفرت کرے ان کے والد محترم مرحوم کا بھی یہی اصول تھا۔ چنانچہ ڈھیر سارے مسائل و مصائب اور پریشانیوں میں الجھے رہنے کے باوجود بھی صمدانی صاحب کا تخلیقی عمل جاری رہا۔ تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے اس دور میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک اور نایاب تخلیقات زمانے کے سامنے پیش کیں۔'' (خاکہ غلام صمدانی)

شیخ صاحب ہم قافیہ الفاظ سے بھی مزاح پیدا کرتے ہیں مثلاً ''کبھی کبھی اُن کی جدت پسندی شدت پسندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ (ایضاً) شعر کو نثر کی طرح استعمال کرنے کا فن بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ ''لیکن دُنیا جانتی ہے کہ ہم اگر اپنے دامن نچوڑ دیں تو فرشتے اس سے وضو کریں۔ (ص ۵۱) مصنف نے ادبی شہ پارے کے حوالے سے بھی مزاح پیدا کیا ہے۔ ''ہم

نے دونوں کے غصے کا ایک ساتھ مشاہدہ کیا ہے جسے دیکھ کر سرسید احمد خان کے مضمون 'بحث وتکرار کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ (خاکہ ظفر عبدالمبین) عادات و اطوار سے مزاح پیدا کرنے کا ڈھنگ دیکھئے....."مہمان کا بے انتہا خیال رکھتے ہیں اور اُن میں ایسے گھل مل جاتے ہیں کہ اپنے گھر میں خود مہمان لگتے ہیں۔" (خاکہ حبیب محسن الکاف) "وہ کم سخن اس لیے تھے کہ وہ سنتے بھی کم ہی تھے" (ص۸۲) الفاظ کی شعبدہ گری اور اختصار کی ایک اور مثال دیکھئے....."پروفیسر یونس فہمی شہر ناندیڑ کی ادبی و علمی دُنیا میں استاد محترم اختر الزماں ناصؔر کے ایستادہ قطب مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔" خاکہ نگار نے صاحب خاکہ کی بلند قامتی' ادب میں ان کے اونچے مقام اور استاد کے فیض تربیت تینوں کو صرف ایک جملے میں سمیٹ لیا ہے۔ پروفیسر یونس فہمی کے پڑوس میں رہنے کا فائدہ خاکہ نگار کو کچھ اس طرح پہنچا....." آپ کی وجہ سے میرے بچوں کو خطِ مستقیم سمجھنے میں بڑی مدد مل جایا کرتی تھی اور وہ ان دنوں جامیٹری میں اعلیٰ نشانات سے کامیاب ہوجایا کرتے تھے۔" (خاکہ یونس فہمی) خاکہ نگار فہمی صاحب کی شرافت کے علاوہ ان کی اسکوٹر کی شرافت کے بھی قائل بلکہ گھائل ہیں۔ "فہمی صاحب کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ جو کوئی آپ کی صحبت میں رہا شریف بن گیا۔ حتیٰ کہ آپ کی اسکوٹر نے بھی شرافت آپ ہی سے سیکھی ہے جبھی تو کبھی کبھار پیٹرول کے بغیر بھی چلنے سے انکار نہیں کرتی۔" (ایضاً) اپنے ہم جماعت بہاء الدین ایڈوکیٹ کے قبل از وقت بوڑھا ہوجانے کو خاکہ نگار اس انداز میں بیان کرتے ہیں....." ابھی میں بزرگ ہونے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ حضرت بڑی تیزی سے بزرگ ہو بھی گئے اور انجمن بزرگان ناندیڑ کے جلیل القدر عہدے پر فائز بھی ہوگئے۔" (ص۱۱۴) جب کہ انگریزی کے ایک استاد کمال الدین صدیقی ساجؔد کی بزرگی کے بارے میں اُن کا خیال ہے: "دراصل اُن کے پیشے کی مصروفیت اور ذمہ داری نے انھیں کافی سنجیدہ اور وقت سے پہلے بزرگ بنا دیا ہے۔ یہ بزرگی اُن کا طرۂ امتیاز بن کر رہ گئی ہے۔" (ص۱۲۴) خاکہ نگار کے ایک دوست ودود احمد خان کے گھر میں چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر بھی میٹنگ طلب کرنے کا دستور ہے۔ اس پر خاکہ نگار کی شگفتہ بیانی اور مبالغہ آرائی ملاحظہ کیجئے: "ودود احمد خان کے گھر میں کسی بچے کی ختنہ کروانا ہو تو بھی میٹنگ طلب کی جاتی ہے۔ میٹنگ کے بعد کھانا ہوتا ہے۔" ڈرائینگ روم کے دوسرے خاکوں میں بھی مصنف نے اپنی شگفتہ نگاری کے جوہر دکھلائے ہیں۔ شہر کے چھوٹے چھوٹے ادبی پرگراموں میں بھی پابندی سے شرکت کرنے والے قاضی محمد اطہر الدین کے بارے میں خاکہ نگار کی نیک رائے یہ ہے۔" آپ کی ذات سے ناندیڑ کے شعراء حضرات کو کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ کیوں کہ سارے شہر میں شعراء حضرات کے کلام کو سننے والا اتنا ایماندار اور معتبر شخص کوئی دوسرا نہیں ہے۔" (ص۱۲۱) اسی طرح خوش شکل' خوش پوش اور خوش گلو فیروز رشید جن کی زنبیل میں کئی قابل فخر شاگرد ہیں، ان حضرات کے خاکے بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

شیخ محمد صہبؔا نے اپنے خاکوں میں صد فیصد صاف گوئی اور مکمل دیانتداری سے کام لیا ہے۔ دوستوں کے علاوہ بزرگوں کو بھی انھوں نے نہیں بخشا۔ چنانچہ ایک دوست کے والد کی شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مرحوم انتہائی سخت اور خطرناک شخصیت کے مالک تھے۔ اسی مناسبت سے وہ "منجنر" تخلّص کیا کرتے تھے۔.....نت نئی شادیاں کرنا اور طلاق دینا ان کا مشغلہ تھا۔" (ص۷۲) انجینئر عبدالقادر کے خاکے سے ہم حیدرآباد کے ایک مشہور اور اسم با مسمّٰی اسٹرکچرل انجینئر ولی قادری مرحوم کی اعلیٰ ظرفی اور بذلہ سنجی سے واقف ہوتے ہیں۔ اپنے جونیئر کے آفس کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا تھا کہ "مجھ میں اور قادر صاحب میں کوئی فرق نہیں' اگر کچھ فرق ہے تو معمولی 'ی' کا... میں قادری ہوں اور وہ قادر ہیں۔"

کتاب میں بعض جگہ، مصنف سے نادانستہ طور پر سہو ہوا ہے۔ بعض مندرجات کو ضبط تحریر میں لانے سے پہلے ضروری تھا کہ اس بارے میں تحقیق کر لی جاتی۔ صفحہ ۴۰ پر مصنف رقمطراز ہیں۔ "اُن دنوں ہم نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ ناندیڑ میں سرکاری ہائی اسکول پر حضرت شوکت علی خان فانی بدایونی بھی بحیثیت صدر مدرس فائز رہ چکے ہیں۔ مگر ہم اُس وقت پرائمری کی ابتدائی جماعتوں میں تھے' اس لئے اُن کے دیدار سے محروم رہے۔" حقیقت یہ ہے کہ فانؔی ۱۹۳۸ء میں مدرسہ فوقانیہ ناندیڑ کے صدر مدرس تھے۔ ۱۹۴۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (فانی بدایونی۔ حیات' شخصیت اور شاعری کا تنقیدی مطالعہ۔ از مغنی تبسم ص۱۲۲) جب کہ مصنف نے اپنی تاریخ پیدائش ۲۰ جنوری ۱۹۴۵ء بتائی ہے۔ اپنے ایک قابل استاد مولوی عبدالحمید صاحب کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ "ساری عمر انسائیکلو پیڈیا لکھنے میں گزار دی پھر بھی کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔" (ص۴۱) مولوی صاحب مرحوم انسائیکلو پیڈیا نہیں بلکہ ایک معیاری اور ضخیم لغات مرتب

فرما رہے تھے۔ افسوس کہ وہ ادھوری رہ گئی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ آزاد ہندوستان کے پہلے اسمبلی الیکشن میں کانگریس کے امیدوار ولایت علی خاں ایڈوکیٹ چناؤ ہار گئے اور حلقہ انتخاب ناندیڑ سے کمیونسٹ پارٹی کے وی۔ڈی دیش پانڈے منتخب ہوئے۔ (ص۱۶) دراصل اس الیکشن میں ولایت علی خاں سوشلسٹ پارٹی' وی۔ڈی۔دیش پانڈے محاذ کے اور سابق صدر المہام گوئیند راؤ چڑاو یکر ایڈوکیٹ آزاد اُمیدوار تھے۔ ان تینوں امیدواروں کو کانگریس کے بھگوان راؤ گانجوے نے کثیر ووٹوں سے شکست دی تھی۔ (تاریخ ناندیڑ دکن۔مؤلف مرزا احمد اعلی بیگ چغتائی ص۸۰) فاضل مصنف نے کتاب میں کہیں بھی اپنے آبائی وطن کا ذکر نہیں کیا البتہ مولوی شیخ محی الدین صاحب (صدر مدرس) کو اپنے والد کا ہم وطن بتایا ہے۔ مولوی صاحب کا وطن بھینسہ (ضلع عادل آباد ریاست تلنگانہ) تھا۔ اسی طرح شہر کے ہر دلعزیز ڈاکٹر محمد جیلانی (مؤظف سول سرجن) کو ناندیڑ کا پہلا مسلم ایلو پیتھک ڈاکٹر بتایا ہے جب کہ اُن سے پہلے ڈاکٹر رفیع الحسن انصاری اور ڈاکٹر سید شمس الحسن قادری ایم۔بی۔بی۔ایس مسلم ڈاکٹر ہو چکے ہیں۔ غلط فہمی کی بناء پر ایک مقامی لیڈر اور سابق کامریڈ کو مرحوم لکھ دیا گیا اور ان کے لئے صیغۂ ماضی استعمال ہوا ہے۔ (ص۵۰) حالانکہ لیڈر موصوف مقامی سیاست میں سرگرم نہیں تو نیم گرم ضرور ہیں۔ مرحوم عمر صدیقی اطہر (متوطن عنبڑ ضلع جالنہ) کو فارغ دیوبند لکھا گیا ہے۔ (ص۴۱) جب کہ وہ کسی بھی دینی درس گاہ سے فارغ نہیں تھے۔ یہ بات خود اُن کے فن کار فرزند نے مجھے بتائی تھی۔ ناندیڑ کی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کا وجود ہی نہیں ہے تو پھر فہیم احمد صدیقی وہاں سے بحیثیت صدر شعبۂ اردو کیسے ریٹائر ہو سکتے ہیں؟ ناندیڑ سے جاری ہونے والا پہلا اردو اخبار 'ہنگامہ' ہے جسے محمود عشقی نے ۱۹۵۴ء میں جاری کیا تھا۔ اخبار 'سحر' پہلے عبدالقیوم قیس نے جاری کیا ۱۹۶۰ء سے یہ مرزا احمد علی بیگ چغتائی کی ادارت میں شائع ہونے لگا۔ اخبار ارتسام اور لام الف ہفت روزہ ہی رہے روزنامے میں تبدیل نہیں ہوئے۔ میر عابد علی صاحب مہتمم تعلیمات نہیں بلکہ سرشتہ دار تعلیمات تھے۔ مسجد دربار میں ابتداء سے ایک زمانے تک حنفی مسلک سے نمازیں ادا کی جاتی تھیں' شافعی مسلک وہاں بہت بعد میں رائج ہوا۔ مسجد عابدین شیواجی نگر میں نہیں ہے بلکہ اس سے متصل محلّہ نئی آبادی میں واقع ہے جس کی تعمیر نو کا نقشہ مشہور آرکٹیکٹ اور معروف شاعر طالب خوندمیری مرحوم نے بنایا تھا۔ مصنف نے جس 'ٹوٹی کچہری' کا ذکر کیا ہے اس کا اصل نام 'دربار کچہری' تھا۔ کیپٹن بدر حکومت آسٹریلیا کے ملازم نہیں تھے ان کا تعلق ہندوستانی فوج سے تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران کچھ عرصے کے لئے وہ آسٹریلیا میں تعینات رہے۔ ناندیڑ کا دارالمطالعہ کوئی ٹرسٹ نہیں چلاتا تھا۔ اس کے ذمہ دار مولوی اخلاق حسین زبیری تھے جو پاکستان ہجرت کر گئے۔ بعض سنین میں بھی مصنف سے سہو ہوا ہے۔ ریاست مہاراشٹر کا قیام یکم مئی ۱۹۶۰ء کو عمل میں آیا نہ کہ ۱۹۶۶ء کو اسی طرح ہندوستان میں بولتی فلموں کا آغاز ۱۹۳۷ء سے نہیں ۱۹۳۱ء سے ہوا۔ کتاب میں بعض واقعات اور جملوں کی تکرار ہے۔ حضرت اور صاحب کے سابقے' لاحقے بکثرت ہیں۔ پروف ریڈنگ کی طرف توجہ نہیں دی گئی اس لئے کمپیوٹر کمپوزنگ کی کئی غلطیاں راہ پا گئیں' غلط الفاظ قوسین میں درج ہیں۔ املا (املہ)' عرف عام (حرف عام) علم (الم)' جوار رحمت (جواز رحمت)' ڈاکٹر موثق الدین (موسیق الدین)، بہاء الدین (بہاؤالدین)' بدرجہ اتم (بدرجہ اُتّم) پرانی یادیں (برائی یادیں) اعتراض (اعتراز) دھینگا مشتی (دھنگا مستی) خیر باد (خیر آباد) شارجہ (شارقہ) گلی (گلّی) وغیرہ۔ ایک زندہ شخصیت کے نام کے آگے رحمتہ اللہ علیہ کا مخفف ''رح'' لگ گیا ہے۔ (ص۲۰) فہرست مضامین میں خاکہ مرزا وفادار بیگ کا سلسلہ نشان ۲۸ کے بجائے ۸۲ ہے۔ بعض اشعار یا مصرعوں کے آخر میں کاتب نے بلاضرورت خط فاصل لگا دیئے ہیں۔

شاید مصنف نے یہ کتاب عجلت میں ترتیب دی اور وہ اپنی تحریر پر نظر ثانی نہیں کر سکے اس لئے زبان و بیان کی بعض چھوٹی موٹی لغزشیں ہوئی ہیں۔ چند صحیح الفاظ اور جملے قوسین میں دیئے گئے ہیں۔ زمین دوز (زمیں بوس) رکشا بھگایا کرتے تھے (رکشا دوڑایا کرتے تھے) ٹانگوں کا رواج تھا (تانگوں کا رواج تھا) جھاڑ (درخت' پیڑ) ہونہار بچپن کے ساتھی (بچپن کے ہونہار ساتھی) کفالت کی ذمہ داری ان کے نازک کندھوں پر آگری تھی (آپڑی) تھی۔ محلے میں کافی مقبولیت رکھتے تھے (کافی مقبول تھے) اسی طرح شان و تمکنت کے بجائے شان و شوکت زیادہ موزوں ہے۔

مصنف نے ایک سعادت مند شاگرد کی طرح اپنے مرحوم اساتذہ کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے یا یوں کہئے کہ ہدیۂ دل پیش کر دیا ہے۔ مولوی اختر الزماں ناصؔر سے اُن کی عقیدت صرف ایک جملے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ''انھوں نے ہی مجھے شیخ محمد سے شیخ محمد صہبؔا بنایا۔'' پروفیسر صادق مولا (دہلی) بہ سلسلہ ملازمت چند سال ناندیڑ میں مقیم رہے۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

پریم چند اور منٹو
چند مماثلتیں

ایس معشوق احمد (دیوی سار)
موبائل : 8493981240

اردو ادب میں موازنے کی پختہ روایت رہی ہے۔ میر انیس کا دبیر سے موازنہ ہمارے سامنے ہے۔ دو شاعروں کا ان کی شاعرانہ خصوصیات کی بنا پر موازنہ کرنا برا بھی نہیں اگر غیر جانب داری سے کام لیا جائے۔ علامہ شبلی پر یہ الزام آیا کہ انہوں نے انیس کو دبیر پر فوقیت دی۔ موازنہ کرنا اور مماثلتیں ڈھونڈنا بڑا ادق اور پیچیدہ کام ہے۔ ذرا سا دھیان بھٹک جائے تو ذہن کسی اور وادی کی سیر کرنے کو نکل جاتا ہے۔ ہماری ادبی روایت میں نہ صرف شاعروں کے درمیان موازنہ کیا گیا بلکہ ناول نگاروں، افسانہ نگاروں، خاکہ نگاروں، انشائیہ نگاروں کا موازنہ بھی کیا گیا اور دو ادیبوں کے درمیان جو بھی مماثلتیں ملی ان کو تحقیق و تدقیق کرنے کے بعد بیان کیا گیا۔ پریم چند اور منٹو اردو افسانوی ادب کے دو بڑے نام ہیں۔ دونوں نے اردو افسانے میں اپنے اسلوب، فن اور ہنر کے جلوے دکھائے۔ دونوں کا اسلوب، رنگ اور کہانی بیان کرنے کا انداز مختلف ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دونوں کا قد بحیثیت افسانہ نگار بہت بلند ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی حالانکہ پریم چند کو اولیت ضرور حاصل ہے۔ دونوں میں تفاوت ہونے کے باوجود چند مماثلتیں ہیں۔

پریم چند نے اردو افسانے کو جو بلندی اور مقام عطا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اردو ادب کا ادنیٰ سا طالب علم بھی پریم چند کے نمک کا داروغہ، بڑے گھر کی بیٹی، دو بیل، سوا سیر گیہوں اور کفن سے واقف ہوگا۔ انہوں نے اردو افسانے میں اپنے معاشرے کی کامل عکاسی کی ہے۔ گاؤں اور کسانوں کی حالت، زمیندار کا سلوک، چھوت چھات، ذات پات وغیرہ کو فنکاری اور مہارت سے اپنی کہانیوں میں بیان کیا ہے۔ وقار عظیم کے خیال میں :

''پریم چند کا افسانہ، افسانہ نگاری کی مکمل تاریخ ہے۔ اس حد تک مکمل کہ افسانہ جہاں سے شروع ہوا اور فن کے مختلف مدارج اور مرحلے طئے کر کے جہاں تک پہنچا اس کی ساری کڑیاں ہمیں پریم چند کے افسانوں میں مل جاتی ہے۔ یہاں کہانی اپنی سیدھی سادی، بے تکلف صورت میں بھی موجود ہے جو گاؤں کے چوپال کی بے لوث فضا میں الاؤ کی دل کو گرما دینے والی آگ کے چاروں طرف بیٹھ کر کہی اور سنی جاتی ہے۔''

(داستان سے افسانے تک از وقار عظیم)

دوسری طرف اردو افسانہ کا بڑا نام سعادت حسن منٹو ہے جس نے مختلف موضوعات کو اپنے افسانے میں پیش کیا۔ منٹو نے مزدور، طوائف، بادہ کش، شریف اور رذیل انسان، نوجوان، مرد، عورت سب کی ذہنی الجھنوں اور جنس کے گوناگوں مظاہر کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ منٹو ایک بادہ خوار اور ملا کے دلوں کے سارے بھید جانتا تھا اور بے باکانہ انداز سے اس نے ہمیں بتایا بھی۔ منٹو کا محبوب موضوع تو طوائف کے اردگرد کا ماحول اور معاشرہ رہا لیکن دیگر موضوعات میں انگریزی اقتدار سے نفرت، فسادات کا دکھ اور بٹوارے کے دوران ہونے والی خوں ریزی کو بھی چابکدستی سے اس نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اس کے کھول دو، نیا قانون، ٹوبہ ٹیک سنگھ جیسے شاہکار افسانے اردو افسانوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ منٹو کے متعلق وقار عظیم لکھتے ہیں :

منٹو کو اس کی حقیقت نگاری، اس کی نفسیاتی موشگافی، اس کی دوربین و دوررس نگاہ، اس کی جرأت آمیز اور بے باکانہ حق گوئی، سیاست، معاشرت اور مذہب کی اجارہ داری اور ہر اس تلخ لیکن مصلحانہ طنز اور اس کی مزے دار فقرہ بازیوں کی وجہ سے سراہا گیا۔''

(داستان سے افسانے تک از وقار عظیم)

دونوں افسانہ نگاروں میں چند مماثلتیں ہیں۔ دونوں اپنے وطن کو عزیز رکھتے تھے اور انگریزوں اور انگریزی اقتدار کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی۔ پریم چند نے جہاں وطن کی محبت کے گن، دنیا کا سب سے انمول رتن، عشق دنیا اور حب وطن میں گائے وہیں منٹو نے انگریزوں سے نفرت کا اظہار اپنے شاہکار افسانے ''نیا قانون'' میں کیا۔ پریم چند کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ''وہ آخری قطرہ خون جو وطن کی حفاظت میں گرے، دنیا کی سب سے بیش قیمت شئے ہے'' وہیں منٹو انگریزوں سے نفرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں۔''

(افسانہ، نیا قانون از سعادت حسن منٹو)

جہاں پریم چند کے مجموعہ کو ضبط کر کے نذر آتش کیا گیا وہیں منٹو کے خلاف بھی فحاشی پھیلانے کے مقدمات چلے۔ پریم چند کے زمانے میں عوام بیدار ہو چکے تھے۔ لوگ غلامی کے طوق سے آزاد ہونا چاہتے تھے جس کے لیے وہ ہر قیمت چکانے کے لیے تیار تھے۔ ایک فنکار چونکہ حساس ہوتا ہے اور اپنے آس پاس کا ادراک رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے وطن سے

محبت رکھتا ہے بلکہ اس جذبے کو دوسروں میں بیدار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ پریم چند نے اپنی اولین کہانیوں میں یہی کیا۔ زمانہ پریس نے پریم چند کی پانچ کہانیوں کا مجموعہ سوز وطن کے نام سے 1909ء میں چھاپا۔ اس زمانے میں وہ کہانیاں اور مضامین "نواب رائے" کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ یہ مجموعہ بھی نواب رائے کے نام سے چھپا تھا۔ جب یہ مجموعہ شائع ہوا تو پریم چند کو انگریز کلکٹر نے کہا تھا کہ ''تمہاری کہانیوں میں سیڈیشن بھرا ہوا ہے۔ اپنی تقدیر پر خوش ہو جاؤ کہ انگریز عملداری ہے مغلوں کا راج ہوتا تو تمہارے ہاتھ کاٹ ڈالے جاتے۔'' سوز وطن کی ہزار کاپیوں میں سے تین سو کاپیاں بک گئی تھیں۔ باقی سات سو کاپیاں پریم چند کو انگریز سرکار کے حوالے کرنی پڑیں جو نذر آتش کر دی گئیں۔ منٹو کی جن کہانیوں پر فحاشی کے مقدمات چلائے گئے ان میں دھواں، کالی شلوار، بو، ٹھنڈا گوشت اور اوپر نیچے اور درمیان شامل ہیں۔ منٹو پر یہ بھی الزام آیا کہ وہ بازاری عورت، طوائف اور کوٹھے کا ذکر بار بار کرتا ہے جس کے بارے میں منٹو نے اپنی صفائی میں ایک مضمون میں لکھا :

"ہم مندروں، مسجدوں کا ذکر کر سکتے ہیں تو قحبہ خانوں کا ذکر کیوں نہیں کر سکتے جہاں سے لوٹ کر کئی انسان مندروں اور مسجدوں کا رخ کرتے ہیں۔"

(مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔ از: منٹو)

دونوں نے اپنے معاشرے، ماحول اور اردگرد کو بڑی چابکدستی اور فن کاری سے اپنے افسانوں میں پیش کیا۔ دونوں کا مشاہدہ گہرا تھا اور دونوں اپنے معاشرے اور سماج کو پڑھنے کا شعور رکھتے تھے۔ دونوں فلمی دنیا سے وابستہ ہوئے۔ پریم چند جلد ہی کنارہ کش ہوئے لیکن منٹو نے اچھا خاصا وقت فلمی دنیا کو دیا اور کسن کنہیا، چل رے نوجوان، شکاری، مرزا غالب جیسی کہانیاں فلموں کے لئے تخلیق کیں۔ دونوں ناول نگار تھے۔ ناول نگاری میں پریم چند نے جہاں اچھا خاصا نام کمایا اور اردو ادب کو گئودان جیسا شاہکار ناول دیا وہیں منٹو نے صرف ایک ناول "بلاعنوان" لکھا اور اس میدان میں وہ گمنام ہی رہا۔ دونوں افسانہ نگاروں نے جنس اور طوائف کی زندگی کو موضوع بنایا۔ پریم چند نے ناولوں اور کہیں کہیں افسانوں میں بھی اس موضوع پر لکھا لیکن منٹو نے بے باکانہ انداز سے اپنے افسانوں میں اس کی عمدہ تصویر کشی کی۔ حالانکہ ان کے افسانوں پر مقدمے بھی چلائے گئے اور ان کے افسانوں کو کراہت سے بھی دیکھا گیا اور برا سمجھا گیا۔ منٹو برا نہ تھا۔ وقار عظیم لکھتے ہیں :

"دنیا کی ہر دوسری چیز کی طرح منٹو نہ "محض" اچھا ہے اور نہ "محض" برا۔ اس کے افسانے خالصتاً حسن و جمال کے مظاہر ہیں اور نہ محض برائیوں کے حامل۔"

(داستان سے افسانے تک- وقار عظیم)

دونوں افسانہ نگار ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ پریم چند نے تو پہلی کل ہند کانفرنس کی صدارت بھی کی اور وہاں اپنا خطبہ بھی پڑھا۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کے خیال میں :

''ترقی پسند تحریک کو سب سے زیادہ تقویت اس خطبے سے ملی جو اس کانفرنس میں پریم چند نے صدارت کرتے ہوئے پڑھا۔''

(اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔ خلیل الرحمٰن اعظمی)

منٹو بھی ترقی پسند تحریک کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون تھا۔ اس نے نہ صرف ''کسان، مزدور، زمیندار'' جیسے مضامین لکھے بلکہ اپنے افسانوں میں بھی ترقی پسند نظریات کو برتا۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے لکھا '

''ابتدائی افسانوں میں 'نیا قانون' ایک انقلابی افسانہ ہے اور اس دور کے تمام ترقی پسند انتخابات میں اسے جگہ دی جاتی تھی۔'' (اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔ خلیل الرحمٰن اعظمی)

دونوں نے ڈراما نگاری میں بھی اپنے فن کے جلوئے دکھائے۔ جہاں پریم چند نے سنگرام، کربلا، پریم کی دیوی جیسے ڈرامے لکھے وہیں منٹو نے آؤ، جنازے، تین عورتیں اور منٹو کے ڈرامے جیسے یادگار مجموعات چھوڑے ہیں۔

مختصر یہ کہ دونوں افسانہ نگاروں کا نقطہ نگاہ، سوچ، فکر، اسلوب، فن کو برتنے کا طریقہ اور سلیقہ اگرچہ مختلف تھا اس کے باوجود دونوں میں چند مماثلتیں بھی نظر آتی ہیں جن میں حقیقت نگاری بھی شامل ہے۔ یہ دونوں ہی افسانہ نگار بہترین حقیقت نگار تھے۔ ☆☆☆

بقیہ: آؤ ڈرائنگ روم میں جھانکیں

ڈاکٹر سید خواجہ عزیز الدین اناٹمی کے لکچرر ہونے کے باوجود ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے' ممکری آرٹسٹ اور مزاح گو عظمت اللہ شاہ بھلاواں نے امریکہ اور خلیجی ممالک میں اپنے فن کے جوہر دکھلائے۔ لیکن یہ نام مصنف کے ذہن سے محو ہو گئے۔ ناول گھروں اور کتب خانوں کا ذکر تو کیا گیا مگر وہ' مکتبہ و رہنمائے انسانیت کو بھول گئے جو صالح ادب اور اسلامی لٹریچر کا منبع تھا۔ اور جہاں نئی نسلوں کی ذہنی تربیت کی جاتی تھی۔ کتاب میں شامل آخری خاکہ 'مرزا وفادار بیگ' کو مصنف نے فرضی خاکہ قرار دیا ہے مگر وفادار بیگ کے اوصاف حمیدہ ڈپٹی نذیر احمد کے کردار 'مرزا ظاہر دار بیگ' اور خود شیخ صاحب کے لکھے ہوئے ایک خاکے سے حد درجہ مشابہت رکھتے ہیں۔ چند تصاویر دوستاں اور بعض معروف ادبی شخصیتوں کے ساتھ مصنف کی تصویریں زینت کتاب ہیں۔ ٹائٹل بے حد دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ اگر چھوٹا فونٹ استعمال کیا جاتا اور بین السطور کم ہوتا تو اس مجلد کتاب کی ضخامت میں کمی آسکتی تھی۔ بہر حال شیخ محمد صہبا نے ۲۱ خاکے لکھ کر گویا اپنے احباب کو ۲۱ توپوں کی سلامی دی ہے جس کے لیئے وہ قابل مبارک باد ہیں۔ ناندیڑ کے باذوق قارئین کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ ☆

تفہیم و ترسیل کا تجزیاتی مطالعہ

محمد شاہد پٹھان (جے پور)
موبائل : 9372843907

تمہید (Abstract)

'فاروق بخشی' گزشتہ چند برسوں سے ''پروفیسر فاروق بخشی'' کے نام سے معروف ہیں۔
'تفہیم و ترسیل' میں فاضل مصنف کے بیس مضامین شامل ہیں۔ان میں بعض خاکہ نما مضامین ہیں، بعض تبصرے (افسانہ/کتاب/رسالہ) اور کچھ تنقیدی مطالعات پر مشتمل ہیں۔اس کتاب کا سرسری جائزہ اس مضمون میں لیا گیا ہے۔

تعارف (Introduction)

''تفہیم و ترسیل'' میں شامل زیادہ تر مضامین سیمینار میں پڑھے گئے ہیں اور بعض فرمائشی قسم کے ہیں۔اس لیے ان میں تنقید سے زیادہ تاثر اور تحسین کا انداز نمایاں ہے۔تاہم فاروق بخشی نے زیر مطالعہ شاعر و ادیب اور کتاب و صاحب کتاب کا معقولیت سے تعارف کرانے اور ادب میں اس کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً ''علامہ شبلی نعمانی اپنے اردو کلام کے آئینے میں'' نامی مضمون میں مصنف نے شبلی کی عبقری شخصیت و تصانیف کا تعارف کراتے ہوئے ان کی غزل گوئی اور نظم نگاری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔شبلی کی غزل گوئی کے تعلق سے وہ لکھتے ہیں :

''درج بالا غزلیات کے اشعار میں وہی نازک خیالی اور لطافتِ بیان موجود ہے جو اس عہد کی غزل کا طرہ امتیاز تھی جسے داغ اسکول کی خصوصیات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔''

تفہیم اور ترسیل کا تجزیاتی مطالعہ :

شبلی کی غزلیں بڑی حد تک روایتی انداز لیے ہوئے ہیں مگر ان کی نظمیہ شاعری وقیع ہے۔ ان کی نظموں کی اہمیت و معنویت اجاگر کرتے ہوئے فاروق بخشی نے درست لکھا ہے کہ :

''شبلی کے سیاسی تصور کی غمازی کرتی ہوئی ان کی شاعری ہندستان کی روح سے بہت قریب ہے۔انھیں قومیت کا احساس تھا۔جمہوریت کے درخشندہ مستقبل کا اندازہ تھا۔تعصب و تنگ نظری سے ان کا دامن پاک تھا،عقیدے کی پختگی اور نظریے پر مکمل اعتماد نے ان کے اندر ایک عجیب سی ثابت قدمی کا احساس بہت گہرائی تک بھر دیا۔'' (تفہیم و ترسیل۔ص64)

معروف مزاح نگار اور خاکہ نگار مجتبیٰ حسین کو فاروق بخشی بھارت کا سب سے بڑا مزاح نگار مانتے ہیں اور انھیں مشتاق احمد یوسفی پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ہندستان میں جس مزاح نگار کو اس (مشتاق احمد یوسفی) کے ہم پلہ کہا جاسکتا ہے وہ مجتبیٰ حسین ہیں۔بلکہ ہماری حقیر رائے میں اگر مجتبیٰ حسین کے فن کا تجزیہ پچاس سال کے خالص ہندستانی تناظر میں کیا جائے تو مجتبیٰ حسین کی تحریریں مشتاق احمد یوسفی سے بھی آگے نظر آتی ہیں۔'' (تفہیم و ترسیل۔ص:34)

''معاصر اردو ادب میں ہندستانی عناصر'' نامی مضمون میں مصنف نے ادب و سماج اور ادب اور سیاست کے باہمی ربط اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے متعلق اپنے ادیبانہ اور ناقدانہ تصورات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ندا فاضلی کی شاعری (لفظوں کا پل) پر اظہار خیال کرتے ہوئے فاروق بخشی لکھتے ہیں :

''ندا فرقہ وارانہ جنون کے جس ذاتی تجربے سے گزرے تھے۔کچھ عرصے تک اُن پر بھی اس کا تاثر قائم رہا لیکن بہت دیر تک وہ ذات کے نہاں خانوں میں قید نہیں رہے بلکہ انھوں نے اپنے مطالعے اور اس سے بھی زیادہ اپنے مشاہدے سے اس راز کو پالیا تھا کہ شاعری ایک مسلسل سماجی عمل ہے اور شاعر کو اپنے فرائض منصبی سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔اسی لیے میں انھیں ترقی پسندوں کے اس حلقے کا شاعر تصور کرتا ہوں جس نے ترقی پسندی کی توسیع میں نمایاں کردار ادا کیا اور نئی ترقی پسندی کے لیے راستہ ہموار کیا کہ انھوں نے کسی نظریے کا نقاب اوڑھے بغیر وسیع تر انسانی مفادات کو اپنی شاعری کا مرکز و محور بنایا۔'' (ص133)

''احتجاج کی آخری آواز: راحت اندوری'' ایک خاکہ نما مضمون ہے۔اس میں مصنف نے شاعر مرحوم سے مشاعروں میں اپنی ملاقاتوں اور اندور میں اپنے دولت کدے پر کی گئی میزبانی کا ذکر کیا ہے، ساتھ ہی شاعر کے فکر و فن پر بھی مدافعت آمیز بحث کی ہے۔

''جدید غزل میں تخلیقی اظہار کی جنبش اور بشیر بدر''، ''چار بیت: رزم سے بزم تک''، ''راجستھان میں اُردو تنقید: ایک جائزہ''، ''ننھی کی نانی اور عصمت چغتائی: ایک تجزیہ''، ''اردو شعر و صحافت کی متاع گم گشتہ: پنڈت ہری چند اختر''، ''کشمکش کے آئینے میں: منصور عثمانی'' وغیرہ میں مصنف کا طریق مطالعہ بڑی حد تک فطری اور معروضی انداز لیے ہوئے ہے۔

'تفہیم و ترسیل' میں بیشتر مضامین شعری مطالعات پر

مشتمل ہیں۔ چند خاکوں کے علاوہ تین مضامین بالترتیب ''کیول دھیر اور ان کا افسانہ 'دہشت' تجزیے کی نظر سے''، ''ننھی کی نانی اور عصمت چغتائی: ایک تجزیہ'' اور ''بساطِ نشاطِ دل اور انشائیہ نگاری'' ایسے بھی ہیں جو افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے مطالعہ سے متعلق ہیں۔ ان مضامین میں مصنف کا معروضی اندازِ نقد بروئے کار آیا ہے۔

تفہیم و ترسیل کے مشمولات میں ''آہ عظیم بھائی''، ''ڈاکٹر خلیق انجم: کچھ یادیں کچھ باتیں''، ''پروفیسر فضل امام کی یاد میں'' اور ''پروفیسر ظفر الدین: یاد کے دریچے میں'' وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن میں 'خاکہ' کے خصائص 'بروئے کار آئے ہیں۔ ان تمام مرحومین سے مصنف کی دیرینہ شناسائی رہی اور آخری وقت تک مصنف کے ان سے تعلقات قائم رہے ہیں۔ لہٰذا برسوں کی آشنائی کے دوران جن باتوں، ملاقاتوں اور واقعات نے مصنف کو متاثر کیا ان کا اظہار و اعتراف ان تحریروں میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

''احتجاج کی آخری آواز: راحت اندوری'' نامی مضمون میں بھی 'خاکہ' کے عناصر ملتے ہیں۔

راجستھان میں دراصل فاروق بخشی اور عشرت دھول پوری (جے پور) راحت اندوری کے خاص دوستوں میں رہے ہیں۔ عشرت دھول پوری عمر میں راحت صاحب سے تقریباً پندرہ برس بڑے تھے۔ چنانچہ راحت صاحب کبھی ان کی بات نہیں ٹالتے تھے، وہ جب چاہتے راحت اندوری کو کسی بھی مشاعرے میں آنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ بخشی صاحب خود ایک دوست دار اور روادار مہمان نواز استاد ہیں اور ہر فرد میں اچھائی دیکھنے کے قائل ہیں وہ نظیر اکبر آبادی کے طریقِ عمل:

''با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام'' کے قائل اور موئد ہیں۔ اس لیے کھانے والوں کے ساتھ ہی ''پینے والوں'' کے ساتھ بھی موصوف کے مراسم خوش گوار اور پائیدار بنے رہتے ہیں۔

''ڈاکٹر خلیق انجم: کچھ یادیں کچھ باتیں''، مضمون میں بھی 'خاکہ' کے خصائص موجود ہیں۔ فاروق بخشی اپنی طالب علمی (میرٹھ) کے زمانے سے ہی خلیق انجم صاحب سے واقف ہو چکے تھے۔ میرٹھ سے دلّی منتقل ہونے اور پھر 1986ء کو راجستھان آنے کے بعد بھی خلیق انجم صاحب سے بخشی صاحب کے اچھے مراسم رہے۔ اس لمبے عرصے کے بعض ادبی واقعات اور تجربات و مشاہدات کا ذکر زیرِ نظر مضمون میں کیا گیا ہے۔

☆ ماحصل:

'تفہیم و ترسیل' پروفیسر فاروق بخشی کے مضامین کی تیسری تصنیف ہے اس میں تنقیدی مضامین کے علاوہ خاکہ نما مضامین اور کچھ تبصرے اور تجزیے بھی شامل ہیں۔ ان مضامین کے مباحث میں صلابت رائے کے ساتھ نتائج میں اعتماد کا احساس نمایاں ہے۔ ان سے مصنف کے ذہنی میلانات و ترجیحات کا بھی کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ ان مضامین میں تاثراتی اور نئی ترقی پسند تنقید کی عمدہ مثالیں بھی موجود ہیں تاہم تنقید کے تعلق سے ان کی دوسری تصنیف 'معانی و مطالب' (شہرِ سبز 'اودے پور میں' تسوید کردہ) زیادہ وقیع ہے کہ اس میں چند ایک کے علاوہ بیشتر مضامین (ڈیڑھ درجن کے قریب) شعری تفہیم و تنقید پر مشتمل ہیں، البتہ زیرِ مطالعہ کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں شعری مطالعات کے ساتھ ہی ساتھ نثری مطالعات (فکشن تنقید) کے عمدہ نمونے موجود ہیں جو مختصر ہونے کے باوجود جاذبِ توجہ ہیں۔ علاوہ ازیں خاکہ نما مضامین میں مصنف کے تحت الشعور میں براجمان ایک 'خاکہ نگار' سے بھی ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ ادب کے میدان میں بخشی صاحب کو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اشہبِ قلم کو لے کر 'فکشن تنقید' اور 'خاکہ نگاری' کی گزرگاہوں پر بھی گامزن ہونا چاہیے۔

☆☆☆

غزل

عزیز اثر رحمانی (امریکہ)
موبائل: 9848255404

تیرے کرم تو ہم پہ سدا کم بہت رہے
تیری گلی کے لوگ بھی برہم بہت رہے

یہ بات سچ ہے دل پر مرے غم بہت رہے
تجھ سے بچھڑ کے نین میرے نم بہت رہے

ہم نے تو زندگی کے مسلسل ستم سہے
گو آپ کی نگاہ میں یہ کم بہت رہے

ہر لمحہ مہربان رہی ہم پہ زندگی
خوشیاں بہت ہی کم رہیں ماتم بہت رہے

پریوں کی داستان ہمیں مت سنائیے
رہنے کو کوہِ قاف میں بھی ہم بہت رہے

محفل میں جب تلک وہ رہا یارِ ضوفشاں
جلتے ہوئے چراغ بھی مدھم بہت رہے

رسوا نہ ہو کبھی مرا معیارِ زندگی
میری نظر میں مئے، نہ جامِ جم بہت رہے

ان کی مہک ہے آج بھی سانسوں میں اے اثر
آنسو ہماری یاد میں جو تھم بہت رہے

اورنگ آباد میں نثر نگاری کی روایات کا سرسری جائزہ

عبدالقدیر خان سیفی

تاریخی ، ادبی ، صنعتی و سیاسی اہمیتوں کا شہر اورنگ آباد سراجؔ سے لے کر وجدؔ تک اور وجدؔ کے بعد آج تک شاعری میں مشہور ہے تو نثر نگاری میں بھی ۱۹۲۵ء سے اورنگ آباد اپنا نام روشن کر رہا ہے۔ ۲۳۔۱۹۲۲ء میں عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج قائم ہوا تھا۔ اس کے پرنسپل اردو کے مشہور محقق، نقاد، ادیب، بابائے اردو مولوی عبدالحق مقرر ہوئے۔ مولوی عبدالحق کے دو شاگردوں میں وجدؔ نے شاعری میں منفرد مقام بنایا تو ان کے دوسرے شاگرد شیخ چاند نے نثر میں تحقیق نگاری میں انفرادیت قائم کی۔ شیخ چاند نے سوداؔ کی شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا۔

شیخ چاند کی شخصیت اور فن پر ڈاکٹر سحرؔ سعیدی اور ڈاکٹر اختر مرزا نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ ۱۹۲۵ء میں رسالہ ''نورس'' کا اجراء ہوا تھا۔ ''نورس'' کی نثری تخلیقات اورنگ آباد میں ہی بی بی کے مقبرے میں فروغ پاتی رہیں اور اورنگ آباد میں ہی انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی گئی۔

''نورس'' میں سکندر علی وجدؔ، شیخ چاند، ولی محمد خان، پروفیسر عاقل علی خان، فضیل جعفری، ڈاکٹر صفی الدین صدیقی اور ڈاکٹر عصمت جاوید کے مضامین شائع ہوئے تھے۔ اساتذہ کے علاوہ طلباء و طالبات کے مضامین بھی ''نورس'' میں شائع ہوئے جن میں ڈاکٹر نصرت آراء، ڈاکٹر مسرت فردوس اور ڈاکٹر لطیف سبحانی کے نام بھی شامل ہیں۔ پروفیسر عاقل علی خان شاعر افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار تھے اور ڈاکٹر صفی الدین صدیقی مرحوم جنہوں نے اورنگ آباد کو وطن ثانی بنایا تھا ناول نگار اور ڈرامہ نگار تھے۔ ان کا ناول ''رہ گزر'' مشہور ہے۔ اس دور کے مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار جوگندر پال بھی اورنگ آباد میں رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر صفی الدین صدیقی نے پونا سے آکر اورنگ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی تھی جو برصغیر میں بحیثیت ماہر لسانیات، نقاد اور شاعر مشہور ہوئے۔ ان کی کئی کتابیں جو شاعری، تنقید اور لسانیات کے موضوعات پر تھیں اورنگ آباد میں تصنیف ہوئیں۔

پروفیسر فیصل جعفری بھی اورنگ آباد میں مقیم رہ کر کئی شعری تخلیقات کے علاوہ نثری جدیدیت کی تحریک میں مشہور ہوئے۔ ان کی تنقیدی کتابیں چٹان، پانی، کمان اور زخم مشہور ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر عصمت جاوید کی کتابیں فکری لسانیاتی جائزے اور مقالات عصمت جاوید اور شخصیات عصمت جاوید مشہور ہیں۔

پروفیسر شمیم احمد نے بھی آزاد کالج کی ملازمت کے دوران اورنگ آباد میں تنقیدی مضامین کا مجموعہ ادراک شائع کیا۔ اورنگ آباد کے پروفیسر فاروق نے نہ صرف اورنگ آباد کی تاریخ پر مضامین لکھے بلکہ کئی تحقیقی مضامین بھی لکھے اور تنقیدی بھی۔ ان کی کتاب ''نیا ادب اور نئے مسائل'' جدیدیت کی تحریک کے نظریات کو واضح کرتی ہے۔ ڈاکٹر ثاقب انور کی کتاب بھی نثر کی اہم کتاب ہے۔ جس میں تنقید، سوانح اور فنون کے موضوعات پر مضامین رقم کئے گئے ہیں۔

اورنگ آباد کی نثر نگاری میں افسانہ نگاری، تنقید نگاری، ڈرامہ نگاری اور طنز و مزاح کی روایت پائی جاتی ہے۔

تنقید نگاری میں ڈاکٹر عصمت جاوید، بشرؔ نواز، ڈاکٹر ارتکاز افضل، ڈاکٹر عتیق اللہ، ڈاکٹر مجید بیدار اور ڈاکٹر ثاقب انور اورنگ آباد کی ادبی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔

ڈاکٹر لطیف سبحانی اورنگ آباد میں ملازمت کے سلسلے میں کئی برس مقیم رہے اور یہاں رہ کر مضامین لکھتے رہے اور ہندوستان اور بیرون ملک کے ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہے۔

ڈاکٹر ارتکاز افضل نے خصوصاً اورنگ آباد اور مرہٹواڑہ کے شعراء اور نثر نگاری پر تنقیدی نظریات پیش کئے ہیں اور ڈاکٹر حمید خان کے مضامین بھی اس سلسلے میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر عصمت جاوید نے فکری و تنقیدی مضامین کا مجموعہ اور لسانیاتی موضوعات پر لسانیاتی جائزے ''زمین پر مقیم رہ کر'' تصنیف کی۔

ناول نگار نورالحسنین نے افسانوی ادب میں عالمی شہرت حاصل کی۔ افسانچہ نگاری میں عظیم راہی نے اپنا نام روشن کیا۔ اسلم مرزا نے ترجمہ نگاری میں نام کمایا تو عارف خورشید نے افسانہ نگاری اور تنقید میں بلند مقام حاصل کیا۔ ڈاکٹر سہیل بیابانی، علیم جہانگیر اور راقم الحروف نے ادب کے مختلف موضوعات پر مضامین لکھے۔ سہیل بیابانی کی کتاب ''تنقیدی شہ پارے'' اور اقبال بلگرامی کی کتاب بھی مضمون نگاری میں اہمیت رکھتی ہے۔

پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ کے مضامین، تبصرے اور انشائیے مقبول ہوئے۔ ڈاکٹر یوسف صابرؔ صحافت کے میدان میں نثر نگاری کی روایت کو آگے بڑھاتے رہے۔ راقم الحروف کے کئی انشائیے ادبی رسائل اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ عصر حاضر میں عزیز عرفان ادب اطفال میں اپنا نام روشن کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کئی نثر نگار ہیں جو نثر کی آبیاری کر رہے ہیں۔

☆☆☆

عالمی سطح کا شاعر و ادیب بشرؔ نواز

سمیع الدین اطہر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9370370494

بشرؔ نواز کو کون نہیں جانتا۔ میں تو طالب علمی کے زمانے سے ان کی شاعری سے متاثر ہوں۔ وہ صرف ایک کامیاب شاعر نہیں بلکہ ایک کامیاب تنقید نگار بھی تھے۔ ''نیا ادب نئے مسائل'' پر ان کی ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کے طالب علموں کے لئے ایک کارآمد کتاب ہے۔ ستمبر ۲۰۰۰ء ماہنامہ 'شاعر' ممبئی میں آپ کا ایک تنقیدی مقالہ بعنوان ''شخصی صلاحیتیں اور اصناف ادب'' غزل پر نیا تنقیدی مکالمہ شائع ہو چکا ہے۔ بشرؔ نواز نے تحریر کیا: ''ادب جس ملک و قوم اور زبان میں تخلیق ہوگا، اسی کی عکاسی کرے گا۔ کوئی صنف سخن یا اظہار کی کوئی صورت اس وقت تک عوامی مقبولیت حاصل نہیں کر سکتی جب تک وہ ان کے خیالات و جذبات کے اظہار پر قادر اور مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو۔'' بشرؔ نواز نے شاعری میں نئی جدت پیدا کی ہے۔ انہوں نے ہائیکو میں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

پھولوں کا موسم
لہرایا ہے فطرت نے
رنگوں کا پرچم

☆

اڑی اڑی خوشبو
کھول کے بکسے یادوں کے
بیٹھی ہوگی تو

عصر حاضر میں کئی ادیب ہیں جو نثر نگاری میں اورنگ آباد کا نام روشن کر رہے ہیں لیکن بشرؔ نواز نے شاعری میں عالمی شہرت حاصل کی اور نئی جدت پیدا کی۔

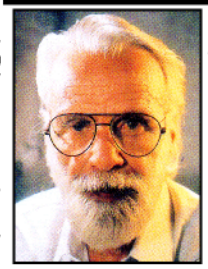

بشر نواز نے ہائیکو میں بھی اپنے اس فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

تنہائی کی شام
درد بھری دیواروں پر
لکھوں تیرا نام

ہائیکو میں بشرؔ نواز نے پورے لوازمات برتے ہیں۔ ہائیکو ایک ایسی صنف ہے جو فطرت کے توسط سے پوری زندگی اور فطری مناظر کا احاطہ کرتی ہے۔

پت جھڑ کا موسم
سوکھے اڑتے پتوں کا
ہوا کرے ماتم
پت جھڑ کا موسم
زندگی کے زوال کا موسم ہے

یہاں پر آرزوؤں کے زوال کی جانب اشارہ ہے۔ ہائیکو جاپان کی صنف سخن ہے۔ جسے بشر نواز نے اردو میں عام کرنے کی کوشش کی۔ بشرؔ نواز نے غزلوں میں خوب شہرت حاصل کی ہے۔ بشرؔ نواز کی غزلوں کے چند اشعار بطور نمونہ یہاں پیش ہیں۔

جب چھائی گھٹا لہرائی دھنک ایک حسن مکمل یاد آیا
ان ہاتھوں کی مہندی یاد آئی ان آنکھوں کا کاجل یاد آیا
ہم زود فراموشی کے لئے بدنام بہت ہیں پھر بھی بشرؔ
جب جب بھی چلی مدیاتی پون اڑتا ہوا آنچل یاد آیا

☆

یہی چہرہ یہی آنکھیں یہی رنگت نکلے
جب کوئی خواب تراشوں تیری مورت نکلے

☆

پاس آتے ہی بدل جاتے ہیں چہرے کے نقوش
دور سے ان چاند کے ٹکڑوں کو دیکھا کیجئے

☆

سیدھی سادھی باتیں ہیں مانگے کا کوئی شور نہیں
یہی ہے اپنی فنکاری یہی ہے اپنا لہجہ بھی

بشرؔ نواز کی شاعری اکثر ادبی رسالوں میں پڑھنے ملتی ہے۔ ان کے مجموعہ کلام ''اجنبی سمندر'' اور ''رائیگاں'' شائع ہو چکے ہیں۔ ابھی چند سال قبل ان کا ایک مجموعہ کلام ''رائیگاں'' دوبارہ شائع ہوا ہے۔ بشرؔ نواز نے شاعری کے ساتھ ساتھ فلمی دنیا میں بھی قدم رکھا۔ وہاں پر انہوں نے بحیثیت گیت کار اپنی شناخت بنائی اور ان کے لکھے ہوئے گیت بھی مشہور ہوئے، جیسے فلم ''بازار'' کا یہ گیت ''کرو گے یاد تو ہر بات یاد آئے گی۔''

انھوں نے بحیثیت رائٹر آکاشوانی اورنگ آباد میں ڈرامے بھی لکھے، خاکے بھی لکھے۔ جیسے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' میں جملہ ۲۶ خاکے ہیں جو اورنگ آباد آکاشوانی ''سب رنگ'' سے نشر ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے سب ہی بڑے بڑے شہروں کے آکاشوانی کیندر سے نشر ہوئے جنھیں کافی پسند کیا گیا۔ اس میں ہندوستان کے لہلہاتے کھیت، سرسبز پہاڑیاں، فضاء میں بہتی ندیوں کی آوازیں دلوں میں جوش و ولولے پیدا کرتے ہیں۔ اس ریڈیو پروگرام ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' میں جاوید ناصر، بشرؔ نواز، طلعت فاروقی، خان مقیم، نورالحسنین اور باقر عسکری نے دل کش آواز سے نکھار پیدا کر دیا تھا۔ ۲۰۰۹ء میں دوبارہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا پروگرام آکاشوانی اورنگ آباد سے نشر کیا گیا۔

آکاشوانی کے علاوہ بشرؔ نواز نے دور درشن پروگرام کے لئے بھی خاکے فارسی سے اردو ترجمہ کر کے لکھے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

عصری تعلیم کے مینارۂ نور: منیر الدین

اختر صادق (ناندیڑ)
موبائل : 9673407199

احقر کی ابتدائی تعلیم بیت العلوم پرائمری اسکول، عقب مسجد عابدین، نئی آبادی، ناندیڑ میں ہوئی۔ یہاں اوّل جماعت سے ہفتم جماعت تک پڑھایا جاتا تھا۔

ساتویں جماعت کے بعد مسئلہ تھا کہ کس اسکول میں داخلہ لیا جائے۔ اس وقت فیض العلوم ہائی اسکول، ملٹی پرپز ہائی اسکول، مدینۃ العلوم ہائی اسکول ناندیڑ کے اہم اور بڑے تعلیمی ادارے شمار کئے جاتے تھے۔ آج کی طرح دیگر ہائی اسکول نہیں تھے۔ ہائی اسکول میں داخلہ کو لے کر پرائمری اسکول اور ہائی اسکول کے اساتذہ کے درمیان پائی جانے والی عجیب وغریب رنجشیں ظاہر ہونے لگیں تو ایسا لگا کہ جیسے اب میں کچھ کچھ سمجھ دار ہونے لگا ہوں۔

خدا خدا کر کے میرا داخلہ فیض العلوم ہائی اسکول کی جماعت ہشتم میں ہوگیا! اپنی صدر مدرسی کی مصروفیات کے باوجود منیر الدین جنھیں ہم منیر سر کہتے تھے ہشتم جماعت سے دہم جماعت تک بہت دلچسپ انداز میں انگریزی پڑھاتے تھے اور 'رین اینڈ مارٹن' کی مشہور زمانہ گرامر کی لال کتاب سے ڈائریکٹ ان ڈائریکٹ کے جملے کراتے تھے۔ سارے بچے آپ کی اردو، مراٹھی اور انگریزی پر مہارت سے بہت مرعوب تھے۔ آپ کے درس و تدریس کا یہ مسحور کن سلسلہ انگریزی ٹیچر کے تقرر تک جاری رہا۔

گھر پر پڑھائی کی خوب خبر لی جاتی تھی لیکن سرپرست حضرات داخلہ وغیرہ کے عمل سے دور ہی رہتے۔ وجہ یہ تھی کہ انھیں اپنے اساتذہ پر بھروسہ تھا۔ لہٰذا میرا داخلہ کس نے اور کس طرح کرایا کچھ یاد نہیں۔

اس وقت اینٹ اور سفید مٹی کے گارے سے گوکل نگر میں بغیر پلاسٹر کے پانچ کمرے بنائے گئے تھے۔ باقی کمرے لکڑی کے تختوں کے تھے۔ جب جماعت کے کمروں میں بھگر ڈالنے کی ضرورت پیش آئی تو بچوں سمیت تمام اسٹاف نے ہفتہ بھر میں کمر برابر بھگر ڈال کر جماعتوں کے فرش برابر کر دیئے۔ 1974ء سے قبل اسکول مسجد یونس، ریلوے اسٹیشن، ناندیڑ کی بائیں جانب خالی جگہ میں چلا کرتا تھا۔ اس وقت اسکول کی جماعت دہم کی پہلی بیچ (Batch) تھی۔ تمام اساتذہ بڑی محنت سے پڑھاتے تھے۔ رات میں بھی پڑھایا جاتا۔ راقم الحروف کے بڑے بھائی سید محمد افسر علی مرحوم پہلی بیچ (1975) کے طالبِ علم تھے۔ نتیجہ آیا تو آپ ہائیر سیکنڈ ڈویژن سے کامیاب ہوئے اور اسکول کے پہلے ڈپٹی انجینئر (سول) ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ 76-1975ء میں میرا داخلہ ہشتم جماعت میں ہوا۔ اسکول سوسائٹی کے خازن صاحب، معتمد صاحب اور منیر سر ہماری جماعت میں آئے۔ خازن صاحب نے بہت جذباتی تقریر کی اور کہا کہ ابھی تک کوئی بھی طالبِ علم جماعت دہم میں اوّل درجہ سے کامیاب نہیں ہوا ہے۔ آپ محنت کیجئے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہے۔ محترم معتمد صاحب نے کہا کہ جو بچہ اوّل درجہ سے کامیاب ہوگا اسے گھڑی انعام میں دی جائے گی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ 1978ء

میں تین طلبہ دہم میں اوّل درجہ سے کامیاب ہوئے۔ اوّل درجہ سے کامیاب ہونے والے طلبہ میں سرِ فہرست راقم الحروف، نعیم الدین (پوسٹ ماسٹر) اور تیسرے شیخ چاند تھے۔ لیکن ہمیں آج تک اس انعام کا انتظار ہے۔ عزیز دوست شیخ چاند عرصہ ہوا مرحوم بھی ہوگئے۔

منیر سر اسکول کے اوّل دن سے لے کر وظیفہ کے آخری دن تک ہیڈ ماسٹر کے عہدہ پر فائز رہے۔ گرچہ کہ اسکول جونیئر کالج کی سطح تک پہنچ چکا تھا لیکن انھوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو ''پرنسپل'' کہنا یا کہلوانا پسند نہ کیا۔ کیونکہ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ 'جونیئر کالج ہائی اسکول سے اٹیچ ہے اس لئے پوسٹ ہیڈ ماسٹر کی ہی ہے۔' ایسے لوگ اب چراغ لے کر ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

اچھی سنگت بیٹھ کر، سنگی بدلے روپ
جیسے مل کر آم سے، میٹھی ہوگئی دھوپ

آپ کو اردو، مراٹھی اور انگریزی میں یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان زبانوں میں آپ کی ڈرافٹنگ عمدہ اور کم سے کم الفاظ پر مشتمل ہوتی۔ اس ضمن دیگر زبانوں کے ہیڈ ماسٹرز بھی آپ سے صلاح ومشورہ کیا کرتے۔ آپ کی تینوں زبانوں کی ہینڈ رائٹنگ بھی بہت خوبصورت اور جاذبِ نظر تھی۔ مشہور تھا کہ آپ کی انگریزی کی ہینڈ رائٹنگ آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی کی طرح ہے۔ شاید یہی وجہ رہی کہ آپ مسلسل چھ سال

تک 'ضلع مجلس تعلیم، ضلع ناندیڑ' کے جوائنٹ سیکریٹری رہے اور ایک سال تک خازن کی پوسٹ سنبھالی۔ احقر نے اسکول میں پہلی مرتبہ 'نیشنل ٹیلنٹ سرچ ایگزامینیشن' کی کلاسیس کا آغاز کیا اور باضابطہ سائنسی نمائش میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپ ہمیشہ ''بے کار اشیاء سے کارآمد اشیاء'' بنانے کے حق میں رہے۔ اس طرح اسٹیٹ لیول تک نمائندگی رہی۔ محترم ذاکر سر نے ڈرائنگ کے مقابلوں میں ضلعی، ریاستی، قومی اور بین الاقوامی سطح تک اسکول کا نام روشن کیا۔ محترم بدر سر نے تو کھیل کے میدان میں اسکول کو چار چاند لگائے۔ یہ سب آپ کی رہنمائی کے سبب ممکن ہوا۔

منیر سر کی اعلیٰ تعلیم کے چرچے ہر ایک کی زبان پر تھے۔ آپ نے ایم.ایس سی. (زولوجی) اور ایم.ایڈ. کیا تھا۔ زولوجی مضمون میں پی.ایچ ڈی بھی کر رہے تھے لیکن معاشی مسائل اور گھریلو ذمہ داریوں کے سبب اسے مکمل نہ کر سکے۔ آپ کی رہنمائی میں کئی طلباو طالبات نے اپنی منزلِ مقصود کو پائی۔ لکچرر، پروفیسر، پرنسپل، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں، بزنس مین، وکیل، جج، لیڈر، صحافی، اخبار کا ایڈیٹر، شاعر، ادیب و ماہر کمپیوٹر، غرض آپ کے شاگردوں میں سبھی شامل ہیں۔

آپ کے طلبہ نے زندگی کے ہر شعبۂ حیات سے متعلق شعبہ میں اپنی مہارت کے نقوش چھوڑے اور چھوڑ رہے ہیں۔ ضلع ناندیڑ کے تقریباً ہر تعلیمی ادارے اور آفس سے آپ کا ربط تھا۔

منیر سر کو اکثر تعلیم سے وابستہ سرکاری و غیر سرکاری پروگراموں میں یاد کیا جاتا ہے۔ آپ بلا جھجک اپنی بات اربابِ مجاز کے سامنے رکھتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے ضلع کلکٹر عالیجناب سدھیر کمار گوئل صاحب نے آپ کو 'ساکشر تا مہم' (تعلیمی مہم) کا نہ صرف ضلعی سطح کا اعلیٰ ذمہ دار بنایا تھا بلکہ اردو ونگ کی ساری ذمہ داری بھی آپ کو سونپی تھی۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بھی بڑی حسن و خوبی سے نبھایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفر کی نیک سعادتوں سے بھی نوازا ہے۔ آج بھی آپ کا کوئی نہ کوئی سفر ہوتا رہتا ہے۔ تمام قانونی شرائط کے ساتھ اسکول اور کالج کے طلبہ کو سیر و تفریح کے لئے لے جانا، تعطیلات میں اسٹاف کے ساتھ کسی تاریخی مقام کی سیر کرنا، تاریخی مقام کی کسی گائیڈ کی طرح معلومات دینا، سیر و تفریح کے لئے درکار اخراجات میں برابر کا حصہ دار بننا، دورانِ سفر اسٹاف اور بچوں میں گھل مل جانا جیسی صفاتِ عالیہ سے مزیّن روشن دل اور روشن چہرے والی شخصیت کا نام منیر سر ہے۔ خوش قسمتی سے احقر بھی کئی بار آپ کا ہم سفر رہا۔ ''ساکشر تا مہم'' کی میٹنگ کے لئے دو بار دہلی بھی جانا ہوا۔ ایک تو والد صاحب کے دوست، دوسرے استاد، تیسرے ہیڈ ماسٹر اور پھر چوتھے آپ کا ماتحت ہونے کا شرف حاصل ہے، اس لئے کبھی انکار نہیں کر پایا۔

منیر سر اپنے ہر ملنے جلنے والے کا حال احوال ضرور پوچھتے ہیں۔ ہر کسی کی خبر گیری کرتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ ہر ایک کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ چاہے اپنے سے چھوٹا ہو بڑا ہو، طالبِ علم ہو، دوست ہو، دشمن ہو، اپنا ہو یا پرایا ہو، چاہے کہیں رہتا ہو۔ آپ وقت کے بہت پابند ہیں۔ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ راست گو ہیں۔ اپنا ہو یا غیر ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کی یہ خوبی بھی لائقِ تقلید ہے کہ اگر اسکول میں کسی اسٹاف ممبر سے کچھ اَن بن یا کہا سنی ہو جائے تو اسکول چھوٹنے سے پہلے پہلے آپ اس سے معاملہ صاف کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ اسکول کوڈ کے دائرہ میں رہتے ہوئے اسٹاف کو ایکس ٹینشن ایجوکیشن لینے سے منع نہیں کرتے۔ احقر اس کی ایک مثال ہے۔ منیر سر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ آج بھی اپنے سے بڑوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اپنے طالبِ علموں کی ترقی سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

اسکول میں میرے انٹرویو اور تقرر کا ذکر آج کے حالات کے لئے شاید سبق آموز ہو۔ پرانے لوگ کتنے اعلیٰ ظرف، خلوص والے، ہمدرد، غمگسار اور دور اندیش ہوا کرتے تھے۔ منیر سر میرے والد کی بہت عزّت کرتے تھے۔ میں ایم.ایس سی. اور بی.ایڈ کے بعد روزگار کے حصول میں سرگرداں تھا۔ سپٹا کمپنی، ناندیڑ میں کچھ جائیدادیں نکلی تھیں۔ میں اور خواجہ علیم الدین (مدینۃ العلوم ہائی اسکول) نے اپلائی کیا۔ دونوں کا تقرر ہو گیا۔ نوکری کا پہلا دن تھا۔ گھر سے صبح سات بجے نکلا اور رات نو بجے گھر پہنچا تو والد صاحب اور بھائی صاحب کو کچھ بے چین اور میرا منتظر پایا۔ میں ایک دم ڈر گیا۔ بھائی صاحب کی آواز گونجی: ''کل سے تم کو فیض العلوم جانا ہے۔ منیر سر نے بلایا ہے۔''

''جی'' بندہ اس کے علاوہ کیا کر سکتا تھا۔

صبح والد صاحب نے ڈیوٹی جانے سے پہلے مجھ سے کہا: ''منیر سر سے تمھاری کوئی شکایت نہیں آنی چاہئے۔''

بندہ سر جھکائے کھڑا رہا۔

دونوں جانے کے بعد گھر تو اپنا ہی تھا۔ خوب ہنگامہ مچایا کہ ابھی تو پہلا ہی دن تھا۔ اچھی بھلی نوکری تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے دن رِٹن ٹیسٹ اور ٹیچنگ ٹیسٹ

ہوا۔ آفس میں بلایا گیا۔ میرا وہی طالبِ علمانہ خمار تھا۔ سلام کیا۔ منیر سر میرے لئے نئے نہیں تھے لیکن اس دن نجانے میں کیوں ڈر رہا تھا۔ سر بھانپ گئے۔ پوچھا کچھ پریشانی ہے؟ میں نے نیم مردہ آواز میں کہا: ''نہیں۔'' مجھے کچھ دیر کے لئے باہر بھیجا۔ پھر بلا کر کہا کل سے تم کو اسکول میں پڑھانا ہے۔ اس وقت فیض العلوم ایجوکیشن سوسائٹی کے سکریٹری محترم ایڈوکیٹ جناب عبدالکریم صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے ایک مربی کی طرح میری ہمت بڑھائی۔ کچھ سوالات کئے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن میں والد صاحب کی بات نبھا سکا یا نہیں منیر سر ہی بتا سکتے ہیں۔ سر سے بے حد ادب و احترام کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ مجھ جیسے نااہل اور ناکارہ شاگرد کو معاف کریں گے۔

میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اکثر مجھ سے پوچھتے: کیسے ہو؟ میں اپنی تکلیف کا رونا روتا۔ کہتے: 'کہو اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کا کرم ہے۔' آپ بڑے صابر و شاکر اور عزم و استقلال کا پیکر ہیں۔

ایڈمنسٹریٹیو پوسٹ پر ہر ایک کو خوش رکھنا یا خوش کرنا ممکن نہیں۔ سو آپ نے جہاں کئی قابلِ تحسین اقدامات کئے وہیں کچھ کمی و بیشی بھی رہی۔ لیکن آپ نے ہمیشہ طلبہ، اسٹاف اور معاشرہ کو ہر ممکن طور پر نفع پہنچانے کی کوشش کی۔ زمانہ آپ کی معاملہ فہمی، دور اندیشی اور فہم و فراست کا معترف ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

خود کو جلا کے دیکھ کہ تجھ کو پتہ چلے
کیسے چراغ جلتا ہے محفل میں ساری رات

میانہ قد، چھریرا بدن، رنگ سفیدی مائل گیہواں، رخساروں پر بہت کم لیکن تھوڑی پر چھوٹی سی سفید داڑھی، چمکیلی آنکھوں پر عینک لیکن تیز نظر اور چال میں ایسی چستی پھرتی کہ نوجوان بھی شرما جائیں! عموماً سفید شرٹ اور قدرے گہرے رنگ کا پینٹ پہنتے ہیں۔ کبھی کبھی قمیص پاجامہ میں بھی نظر آتے ہیں۔ سر پر سفید ٹوپی پہنتے ہیں۔ میں نے انھیں اپنے بچپن سے نمازی اور پرہیز گار پایا ہے۔ پہلے محلّہ نئی آبادی میں رہتے تھے اب محلّہ لیبر کالونی میں رہتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے آپ کے اور سب کے چہیتے منیر سر۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی عمر صحت و تندرستی کے ساتھ دراز کرے آمین!

☆☆☆

بقیہ : عالمی سطح کا شاعر و ادیب بشؔر نواز

''امیر خسروؔ'' ایک پروگرام ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ ہوا کرتا تھا۔ امیر خسروؔ کی شاعری تمام تر فارسی میں ہے جسے ترجمہ کرنے کا موقع بشؔر نواز کو حاصل ہوا، اس طرح وہ ٹیلی ویژن کے فنکار بھی کہلاتے رہے۔

۲۰۰۸ء میں بشؔر نواز جدہ میں ان کی دختر اور داماد سے ملنے گئے تو جدہ ریڈیو اسٹیشن والوں نے انھیں کلام پڑھنے کے لئے مدعو کیا۔ جدہ ریڈیو اسٹیشن پر جانے کے لئے ان کے داماد نے گاڑی نکالی، لیکن غلطی سے ان کی گاڑی دوران سفر ایک ٹریک سے دوسری ٹریک پر چلی گئی اور ریڈیو جدہ سے ان کے داماد کو فون آرہے تھے کہ انڈیا کے شاعر بشؔر نواز کے نام کا اعلان ہو چکا ہے کہ بشؔر نواز کو سنئے۔ جدہ ریڈیو اسٹیشن پہنچتے پر ان کا پروگرام راست (لائیو) نشر کیا گیا۔ بشؔر نواز صرف ہندو پاک کے ہی نہیں بلکہ عالم اردو ادب کے مایہ ناز شاعر و ادیب تھے۔

بشؔر نواز نے اپنی پہلی غزل ۱۹۵۳ء میں کہی اور پہلی ہی غزل میں ذو قافیہ کا استعمال کیا۔

بشؔر نواز کے تعلق سے ڈاکٹر پروفیسر حمید خان لکھتے ہیں ''ان کی شعری کائنات سے ان کی واردات قلبی اور اظہار یا پھر بالفاظ دیگر داخلیت اور خارجیت کو ایک دوسرے سے الگ کرنا، ان کے فن کے تقاضوں کے عین متضاد ہوگا۔ بشؔر نواز کا شعر تضادات کے انجذاب اور ان کو انگیز کرنے کی تخلیقی صلاحیت کا آج کے ادبی تناظر میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

بشؔر نواز کے کلام کو ساہتیہ اکیڈمی دہلی نے انگریزی زبان میں بھی ترجمہ کروایا ہے اور ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔ بشؔر نواز نے کئی ایوارڈ حاصل کئے۔ انھوں نے ملک عنبر ایوارڈ بھی حاصل کیا۔

بشؔر نواز نے ادب کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔ آپ کے حلقہ ادب کے دوست احباب میں مولوی اختر الزماں ناصر، جے پی سعید، رفعت نواز، قاضی سلیم محمود شکیل، رفعت سعید قریشی، نور الحسنین، عارف خورشید، عنایت علی، سحؔر سعیدی، ارتکاز افضل، خواجہ معین الدین، میر ہاشم، فاروق شمیم، اظہر شکیل، یوسف عثمانی، میر مجاہد علی، راقم الحروف، خان شمیم، خان مقیم، خالد سیف الدین کے علاوہ بہت سارے لوگ ہیں جو بشؔر نواز کے قریب رہے۔ بشؔر نواز کی شخصیت اورنگ آباد کی ادبی محفلوں کے لئے چراغِ راہ رہی۔ وہ صرف اورنگ آباد کی ادبی محفلوں میں ہی نہیں بلکہ دہلی و حیدرآباد کے علاوہ کئی بڑے و چھوٹے شہروں کی محفلوں میں شرکت کرتے رہے اور اپنے کلام سے متاثر کرتے رہے۔ یوم جمہوریہ کے موقع پر حکومت ہند کی طرف سے انھیں لال قلعہ کے مشاعرہ میں بلایا گیا۔ بشؔر نواز کو بھارت کے بڑے بڑے شہروں میں مشاعرہ کی محفلوں میں بحیثیت صدرِ مشاعرہ مدعو کیا جاتا رہا۔ انھیں افتخار ادب ایوارڈ کے لئے منتخب کیا گیا۔ روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز نے بشؔر نواز نمبر بھی شائع کیا تھا۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''حق بہ حقدار رسید'' کی مثال کو اورنگ آباد ٹائمز نے کر دکھلایا۔

بشؔر نواز کو ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو غالب اکیڈمی دہلی کی طرف سے غالب ایوارڈ حاصل ہوا تھا۔ ☆☆☆

ناندیڑ کا پہلا ماہیہ نگار شاعر: سید طاہر حسین طاہرؔ

ڈاکٹر یوسف صابرؔ (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

دورِ حاضر میں اردو ادب میں کئی نئے پرانے شعری اصنافِ سخن مروج ہیں۔ ان ہی میں سے ایک ماہیہ نگاری بھی ہے۔ اردو میں کچھ اصنافِ سخن ایسی ہیں جو تنازعات کا شکار ہوئی ہیں۔ شعراء کے لئے یہ اصناف ایک مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔ ان شعری اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کریں یا نہ کریں یہی سوچ کر شعراء پریشان رہتے ہیں۔ ماہیہ نگاری کے تعلق سے بھی اِسی قسم کی پیچیدگی وابستہ ہے۔ کیونکہ بعض ناقد ماہیہ نگاری کے حق میں آج بھی نہیں ہیں۔ تنازعہ اِس پر ہے کہ ماہیوں کے اوزان کتنے ہیں۔ ماہیوں کے لئے صرف دو بحروں کو ہی مستند مانا جاتا ہے۔ (۱) مفعول مفاعیلن/فعل مفاعیلن/مفعول مفاعیلن (۲) فعلن فعلن فعلن/فعلن فعلن فع/فعلن فعلن فعلن اِن دونوں میں بھی پہلی بحر زیادہ پسندیدہ اور مقبول و مترنم ہے۔ طاہر حسین طاہرؔ کے جتنے بھی ماہیے میرے زیرِ مطالعہ رہے وہ اِسی مقبول بحر میں ہے۔ اِس صنفِ سخن کی اردو میں ابتداء اور ارتقاء کے ساتھ جن شعراء کے نام جڑے ہیں اِن میں سے چند اِس طرح ہیں: حیدر قریشی، مناظر عاشق ہرگانوی، نذیر فتح پوری، ہمت رائے شرما، چراغ حسن، اختر شیرانی، قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی، نصیر احمد ناصر، قیوم طاہر، قتیل شفائی، ڈاکٹر صابر آفاقی، امین خیال، یوسف اختر، ڈاکٹر سیفی سرونجی، رشید اعجاز، انور مینائی، اجمل پاشاہ، سیماب شکیب، سیدہ حنا، پروین کمار اشک، صدف جعفری، غزالہ طلعت، فرحت انور، قمر ساحری، اے تنویر، عارف فرہاد، ضمیر اظہر، ارشد نعیم، اکمل شاکر، دیپک قمر، ڈاکٹر ستیہ پال آنند، عثمان قیصر، ساحر شیوی، بخش لائل پوری، طاہر حسین طاہرؔ، رؤف خیر اور گلشن کھنہ وغیرہ کے علاوہ راقم الحروف کی بھی ماہیوں سے وابستگی ہے۔ کچھ ماہیوں کے شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں بخش لائل پوری کا ''سوچ سمندر'' اور ''ساحر شیوی کا ''وادیٔ کوکن'' بطورِ مثال اردو ادب میں موجود ہے۔ بظاہر ماہیہ نگاری کا فن آسان معلوم ہوتا ہے مگر یہ مشکل ہے۔ اس کا دوسرا مصرع پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ میں خود بھی ماہیہ نگاری کی تخلیق کے مراحل سے گذر چکا ہوں۔ اِس لئے جانتا ہوں کہ معیاری و دلکش و پُر اثر ماہیے کہنا کتنا مشکل ہے۔ آج صرف ماہیہ کے فن کے تقاضے پورا کرنے کے لئے کچھ شعراء اس صنفِ سخن پر بھی طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ کچھ اخبارات و رسائل میں ماہیے نظروں سے گذر رہے ہیں۔ مگر اِن میں بہت کم ماہیے ہمارے دلوں کو متاثر کر پا رہے ہیں۔ طاہر حسین طاہرؔ کے ماہیوں نے مجھے کافی متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِن کے فن پر کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ماہیے کی ساخت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چند اہم باتیں اُن قارئین کے لئے جو ماہیوں کے تعلق سے ذہنوں میں شک و شبہات رکھتے ہیں تحریر ہیں۔ ہائیکو اور ثلاثی کی طرح ماہیے بھی سہ رکنی نظم ہے۔ مگر ان تینوں میں ایک واضح فرق ہے۔ ماہیے میں پہلا رکن اور تیسرا رکن آپس میں برابر ہوتے ہیں جبکہ دوسرا رکن اِن دونوں سے الگ ہوتا ہے۔ دوسرے رکن میں ایک سبب کم ہوتا ہے ابتداء میں ایک سبب کم ہوتا ہے۔ جبکہ ثلاثی میں تینوں رکن برابر ہوتے ہیں۔ ہائیکو میں پہلا اور تیسرا رکن برابر ہوتے ہیں جبکہ دوسرا رکن پہلے اور تیسرے سے بڑا ہوتا ہے۔ ماہیہ نگاری پنجابی شعری صنفِ سخن ہے۔ اس لئے دوہے اور گیت کی طرح اس کا تعلق بھی ہندوستان سے ہے۔ دیگر کئی اصنافِ سخن کی طرح ماہیہ نگاری کو بھی مقبولیت حاصل ہوئی مگر عصرِ حاضر میں اِس فن کی ترقی کی رفتار انتہائی سست ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود کچھ شعراء اِس کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں۔

طاہر حسین طاہرؔ بھی ایسے ہی شعراء میں شامل ہیں۔ ناندیڑ شہر کے ادب کی تاریخ میں ماہیہ نگاری کے ضمن میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ماہیہ نگاری کی ابتداء طاہر حسین طاہرؔ سے ہوئی۔ طاہر حسین طاہرؔ نے بہت کم وقت میں اس فن میں مہارت حاصل کر لی۔ ان کے کئی ماہیے قومی سطح کے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ طاہر حسین طاہرؔ کے ماہیوں میں صداقت، سادگی اور حسن و کشش کے ساتھ اصلاحی پہلو بھی شامل ہے۔ عشق و محبت اور سماجی مسائل کو طاہر حسین طاہرؔ نے اپنے ماہیوں میں جگہ دی ہے۔ چند ماہیے بطور نمونہ پیش ہیں ؎

بدنام ہوئے کتنے — میلے میں نہ محفل میں
نام کی خواہش میں — صاف نظر آئی
ناکام ہوئے کتنے — تصویر تیرے دل میں

☆

نفرت سے نہ وحشت سے — پہچان مٹا دے گی
جیت دلوں کو تو — حرص زمانے کی
اخلاص و محبت سے — مٹی میں ملا دے گی

☆

مت سوچ صلہ دیں گے — دن رات بدلتے ہیں
لوگ ہیں مطلب کے — وقت بدلتے ہی
احسان بھلا دیں گے — حالات بدلتے ہیں

طاہر حسین طاہرؔ نے نعتیہ ماہیے بھی عمدہ کہے ہیں۔ مثلاً ؎

ایک بار مدینہ کا
کاش مجھے ہوتا
دیدار مدینہ کا

طاہر حسین طاہرؔ کے یہ ماہیے فن کی کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں۔ اِس کا اندازہ اِن ماہیوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ طاہر حسین طاہرؔ نے اس فن کے معیار کو قائم رکھتے ہوئے اِس پر طبع آزمائی کی ہے۔ اِس لئے اِن کے ماہیے معیاری اور دلچسپ ہیں۔ امید ہے کہ وہ مستقبل میں بھی ماہیہ نگاری کی آبیاری کرتے رہیں گے۔ ☆☆☆

تعارف و تبصرے

کتاب : اردو کی خواتین افسانہ نگاروں پر مختلف ادبی تحریکات کے اثرات (تحقیق وتنقید)

مصنفہ : ڈاکٹر لبنیٰ فرحین

موبائیل: 898316058

اشاعت:2022ء قیمت : 450 روپے

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابؔر (اورنگ آباد)

موبائیل 9326772575

مضبوط بائنڈنگ اور خوبصورت کور پیج کے ساتھ دبیز کاغذ کے ۲۷۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو ڈاکٹر لبنیٰ فرحین نے اپنے لختِ جگر ذوہیب خان اور نورِ نظر آئزا فرحین کے نام کیا ہے ۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں افسانے کا آغاز وارتقاء کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے ۔ باب دوم میں اردو کی خواتین کی افسانہ نگاری کا پس منظر سامنے لایا گیا ہے۔ باب سوم اس کتاب کا سب سے اہم باب ہے۔ اس میں خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں پر مختلف ادبی تحریکات کے اثرات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں خواتین افسانہ نگاروں کے موضوعات پر بحث ملتی ہے اور آخری باب میں خواتین افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری کا فنّی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں رومانوی ،ترقی پسندی ،جدیدیت اور مابعد جدیدیت تحریکات کے خواتین افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری پر کس درجہ اثرات ہوئے انہیں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔اس اعتبار سے یہ ایک عمدہ کام ہے، جسے ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیئے ۔ اس کتاب میں جن خواتین افسانہ نگاروں اور ان کی افسانہ نگاری پر لکھا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ خاتون اکرم ،حجاب امتیاز ،شکیلہ اختر ، طاہرہ دیوی شیرازی ، رشید جہاں ،رضیہ سجاد ظہیر، راحت آراء بیگم ،صالحہ عابد حسین ،عصمت چغتائی ، جیلانی بانو ،واجدہ تبسم ،خدیجہ مستور، رفیعہ سلطانہ ، رفیعہ شبنم عابدی ،سلمٰی صدیقی ، زہرہ جمال ، رفیعہ منظورالامین ،بانو قدسیہ ،صغریٰ مہدی، بانو سرتاج ،قرۃ العین حیدر، ذکیہ مشہدی ،نگار عظیم، ثروت خان، ترنّم ریاض، غزل ضیغم ،خالدہ حسین ،تبسم فاطمہ ،حنا روحی ،نفیس بانو شمع اور مبینہ امام گو کہ یہ فہرست زیادہ طویل نہیں ہے مگر اس کتاب کے مکمل مطالعے سے خواتین کی افسانہ نگاری پر مختلف اہم تحریکات کے اثرات کا پتہ چلتا ہے، اور واضح ہوتا ہے کہ مرد افسانہ نگاروں کے ساتھ خواتین افسانہ نگاروں نے بھی وقت کے تقاضوں کو پورا کیا ہے۔

اس کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر لبنیٰ فرحین نے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''اردو زبان وادب میں خواتین ادبی تخلیق کاروں کے کارنامے تقریباً ایک صدی پر محیط ہیں، خواتین نے اپنے کارناموں سے اس سارے منظر نامے کو اور بھی حسین خوبصورت اور دلکش بنادیا ہے ۔گزشتہ صدی میں خواتین ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں نے اردو ادب کی بقاء اور ترویج وتوسیع کے کئی کارنامے انجام دیئے ہیں۔''

اس کتاب کے کور پیج کی پشت پر پروفیسر ممتاز جہاں صدیقی کا مختصر بیان ہے جس میں انہوں نے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''یہ مقالہ دراصل ایک خاتون کے ذریعے خواتین کی ادبی خدمات کا اعتراف کہا جاسکتا ہے ۔ کیونکہ مرد اساس معاشرے میں خواتین کو نظر انداز کیئے جانے کے کئی واقعات مل جاتے ہیں۔''

امید کی جاسکتی ہے کہ اس کتاب کو دانشور و نقاد قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور طلبہ وطالبات اس سے استفادہ کریں گے۔ اس کتاب کو اس پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مرزا اورلڈ بک ہاؤس ،شاہ گنج ،اورنگ آباد (مہاراشٹر)

☆

کتاب : سوکھے پیڑ (افسانوی مجموعہ)

افسانہ نگار : اظہر نیّر (7808581875)

تبصرہ نگار : ارشد کمالی۔8757315359

اظہر نیّر صاحب کا افسانوی مجموعہ ''سوکھے پیڑ'' جیسے ہی میرے ہاتھوں میں آیا اور اس کے سرِ ورق پر میری نظر پڑی میں اس کے سوکھے پیڑ پر غور کرنے لگا، پھر میں فہرستِ کتاب میں اس عنوان کی کہانی کو تلاش کرنے لگا ۔ تلاش کرنے پر افسانچے کے خانے میں مجھے سوکھے پیڑ کے عنوان سے یہ کہانی ملی ،اس کو میں نے بار بار پڑھا۔ پڑھنے سے مجھے محسوس ہوا کہ ''سوکھے پیڑ'' سے نئی نسل کو تشبیہ دی گئی ہے اور سوکھے پیڑ کے پردے میں زبانِ حال سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ''سوکھے پیڑ'' سوکھ جانے کے باوجود کارآمد اور مفید ہیں۔ مگر نئی نسل ،نئی آبادی کی چمچماتی گاڑیوں اور شیش محلوں میں مقیم بزعمِ خویش نئی سوچ کی حامل ہونے کے باوجود انسانی آبادی کے لئے بالکل بے سود ہے۔ اسی خیال اور فکر کو ترکیبِ توصیفی کے ذریعہ بیان کر کے دردمند دل کے اذہان وقلوب میں متمکن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ مجموعہ ایک سو باون صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ دبیز ہے، سرِ ورق جاذبِ نظر ہے۔ سوکھے پیڑ پر ناقص خیال ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ذیل میں سپردِ قلم ہے۔

برگِ حنا پہ لکھتا ہوں کچھ درد دِل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دلرُبا کے ہاتھ

افسانوی مجموعے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ ماضی میں افسانے مزاج کے اعتبار سے کئی طرح کے لکھے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سماجی، رومانی، جنسی، نفسیاتی اور سیاسی سماجی افسانوں کے لکھنے والوں میں منشی پریم چند بہت بڑا نام ہے اور انہی کی تقلید میں سہیل عظیم آبادی، راجندر سنگھ بیدی اور دیگر افسانہ نگار قارئین کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ رومانوی افسانہ نگاری میں ایک بڑا نام کرشن چندر کا آتا ہے۔ جنہوں نے اپنے خوبصورت اور من موہک اسلوب کے ذریعہ قاری پر گہری چھاپ چھوڑنے میں کامیابی حاصل کی اور ان کی پیروی میں رومانوی افسانہ نگاروں کی ایک بڑی جماعت سامنے آئی اور جنسی افسانہ نگاری میں سعادت حسن منٹو اپنی مثال آپ ہیں، اس سلسلے میں ان کی مقلد عصمت چغتائی ہوئیں۔ ان دونوں نے جنسی افسانہ نگاری میں بڑا نام پیدا کیا۔

ان تینوں مزاج کے افسانوں کے علاوہ نفسیاتی افسانہ بھی منظرِ عام پر آیا۔ سید محمد محسن سمیت کئی اہم شخصیات ہیں جنہوں نے اہلِ قلم کو نفسیاتی افسانوں کے ذریعہ اپنی گرفت میں لینے کی کامیاب کوشش کی۔ رہی بات سیاسی موضوعات پر لکھنے والوں کی تو ان کی ایک بڑی کھیپ اُبھر کر سامنے آئی جنہوں نے سیاست پر مبنی افسانے لکھ کر اپنی سیاسی بصیرت اور سمجھ بوجھ کا اربابِ علم وادب سے لوہا منوایا۔

زیرِ مطالعہ مجموعہ ''سوکھے پیڑ'' اظہر نیّر صاحب کا افسانوی مجموعہ ہے۔ اس میں افسانہ نگار نے کہانیوں کو افسانے، منی افسانے اور افسانچے کے زمرے میں رکھ کر اپنے خاص لب و لہجے میں سماجی، رومانی اور نفسیاتی موضوعات پر اپنے افکار و خیالات قلم بند کئے ہیں۔ جنسی افسانہ نگاری میں اظہر نیّر صاحب نے دامنِ احتیاط کو اس مضبوطی سے تھاما ہے کہ جنس کی بات تو آتی ہے مگر اس کے غلبے سے پاک ہے۔ وہ سعادت حسن منٹو یا عصمت چغتائی جیسی کیفیت پیدا نہیں ہونے دیتے۔ رکھیل، ہیرے کی انگوٹھی اور راز جو دفن ہوا' ان کے علاوہ بھی کئی افسانے ہیں جو اس کی مثال میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اظہر نیّر صاحب نے اپنے پیش رو افسانہ نگاروں کے افسانوں کا کافی گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا ہے جس کے سبب کبھی وہ منشی پریم چند اور سہیل عظیم آبادی سے قریب دکھائی دیتے ہیں تو کبھی سید محمد حسن سے تو کبھی حیات اللہ انصاری سے۔

اظہر نیّر صاحب کا ایک افسانچہ ''آبادی'' ہے جس میں انہوں نے نہایت مختصر سطور میں اپنے سیاسی اور سماجی شعور کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ طنزیہ لہجے میں اربابِ اقتدار سے یہ بھی کہنے کی کوشش کی ہے۔

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

اظہر نیّر صاحب کی افسانہ نگاری کا نمایاں اور خاص وصف یہ ہے کہ ان کا ہر افسانہ حسنِ سادگی سے لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ قاری کے دامنِ دل کو اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے کسی افسانے میں الفاظ کی طمطراقی کے ذریعہ اپنے قاری پر علمی رعب جمانے کی کوشش نہیں کی ہے۔

ان کے تینوں زمرے کی تخلیق 'از دل خیزد بر دل ریزد کی' کی مصداق معلوم ہوتی ہے۔ اظہر نیّر صاحب کے افسانوں کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کے اندر سماجی، قومی اور ملّی درد پایا جاتا ہے۔ ان کا دل قوموں کی زبوں حالی اور پستی پر کُڑھن محسوس کرتا ہے۔ فہرستِ جہیز، انسانیت، سپنا مرگئی، سوکھے پیڑ، آدمی اور کُتّا، بُرائی کا المیہ، اولڈ ایج فری ہوم، روشنی، شرافت کا جنازہ، نقلی دوا، حجلہ عروسی، بھوک، خوش قدما، نام کی مہر، عصا، رودالی ہی سہی، نورا، ہمت اور سرٹیفکیٹ وغیرہ ایسی ہی کہانیاں ہیں جن میں تخلیق کار نے بڑے موثر لہجے اور سادہ پن کے ساتھ سماجی اور معاشرتی خرابیوں کو اہلِ سماج کے سامنے لانے کی سعی و کاوش کی ہے۔

اظہر نیّر صاحب کے افسانوں کا موضوع گرچہ نئے پن سے عاری ہے اس کے باوجود وہ اپنے اچھوتے اسلوب میں نہایت مختصر سطروں میں بغیر تصنع کے اہلِ سماج کو جھنجھوڑنے کی سعی جمیل میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ہر افسانہ کہانی پن سے پُر ہے گویا اہلِ تجرید کو افسانہ نویسی کی صحیح سمت دکھانے کی راہ بھی انہوں نے ہموار کی ہے۔ کہانی کا نتیجہ بڑا معنی خیز اور پُر مقصد ہوتا ہے۔ افسانہ نگار کی ذات جتنی سادہ ہے اسی قدر ان کی کہانیاں بھی سادگی کا پیکر ہیں۔

اظہر نیّر صاحب نہایت مختصر سطور میں پتے کی بات کہہ ڈالتے ہیں۔ نیز سماج کی چھوٹی بڑی حرکتوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں، وہ دراصل اپنی مختصر سطور کے ذریعہ سماج کی بے راہ روی اور بد چلنی کو خاتمے کا لباس پہنانے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ بد امنی اور برائیوں سے پاک سماج ان کا خواب ہے اور وہ اسی

خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے کئی انداز سے خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ اظہر نیّر کی تخلیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف سماج کے ایک طبقے کا گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ سماج کا ہر طبقہ ان کے قلم کی گرفت میں ہے۔ سماج کے ہر طبقے پر ان کی نگاہ یکساں پڑتی ہے اور وہ وہاں سے کچھ نہ کچھ کمی نکال کر اسے افسانوی روپ میں ڈھال دیتے ہیں۔ قومی سطح کے Burning Topics پر بھی اظہر نیّر صاحب کی نگاہ ہے۔ اس طرح کی بھی کہانیاں 'سوکھے پیڑ' میں شامل ہیں۔

اظہر نیّر صاحب کی تخلیق کردہ کہانیوں کو ہم دو حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ اوّلاً سرکاری و ثانیاً غیر سرکاری۔ سرکاری سے مراد ہر وہ فرد جو آفس میں کام کرتا ہے۔ ایسے افراد و انسانوں کی بھی اظہر نیّر صاحب نے قلعی کھولنے میں کسی طرح کی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس طرح کی کہانیوں کو پڑھنے سے قاری کو عجیب سا احساس ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیئے ہی سہی وہ بحرِ تفکّر میں ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ غیر سرکاری جسے ہم عوامی کہانی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں ایسی کہانیاں اہلِ سماج کی آنکھوں پر بندھی پٹّی ہٹانے کے لئے کافی ہیں۔

''سرٹیفکیٹ'' اظہر نیّر صاحب کی ایک خوب صورت اور دل آویز کہانی ہے۔ جس میں انہوں نے لڑکی والوں کو نہایت دل نشیں انداز میں حقیقت کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ کہانی ویکوم محمد بشیر کی کہانی ''سیکنڈ ہینڈ'' کی یاد دلاتی ہے۔

مجموعہ ''سوکھے پیڑ'' نئی نسل کو مثبت سمت کی راہ دکھانے کے لئے بڑا معاون ثابت ہوگا۔ ایسی امید کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : ماہنامہ الفاظ ہند۔ کامٹی

شمارہ جون جولائی ۲۰۲۲ء ، خصوصی گوشہ بنام : معمار ادب اطفال، محمد اسد اللہ

ایڈیٹر اینڈ اونر: ریحان کوثر

موبائل: 9326669893

طباعت : ودربھ ہندی اردو پریس پھٹانا اولی کامٹی ، ضلع ناگپور ۔ ۴۴۱۰۰۱

قیمت: 25/روپے

مبصر: ذکی صدیقی (اورنگ آباد) 9371062367

آج کل اخبارات ، رسائل کے خصوصی و ادبی صفحات پر گوشہ نگاری کو عروج حاصل ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض بات بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ ایک قاری شخصیتِ مذکورہ جس پر گوشہ لکھا گیا ہے، اس کی جانب ملتفت ہوتا ہے اور صاحبِ گوشہ کی نگارشات، حیات و کارناموں سے اسے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب علاقہ ودربھ سے شائع ہونے والے رسالہ برائے اطفال بنام 'الفاظ ہند' میں ودربھ ہی نہیں بلکہ ہندوستان گیر شہرت کے حامل انشائیہ نگار، قلم کار و ادیب، شاعر اور تعلیم و تعلم سے وابستہ شخصیت اسد اللہ پر پیش کردہ گوشہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ گوشہ اسد اللہ کی مکمل شخصیت کا احاطہ نہ کرتا ہو مگر ادب اطفال کے اس رسالے میں شامل اس گوشے میں اسد اللہ کی سیرت، شخصیت و شخصی کوائف کی پیشکش اور اسد اللہ صاحب کے مضامین و تحریروں پر تبصرے لائق ستائش ہیں اور معلومات میں اضافے کے موجب ہیں۔ یوں تو یہ رسالہ خود بھی بچوں کے ادب میں ایک بہتر کاوش ہے، اس میں شامل تمام مضامین و مواد اور اس خصوصی گوشے کے شمارے میں ایڈیٹر ریحان کوثر کا الفاظ ہند سے اسد اللہ کے بیش بہا تعاون کا تحریری اقبال نامہ ہے۔ شمارے کے ابتدائی الفاظ میں رسالے کی اشاعت اور اس راہ کے نشیب و فراز کا تذکرہ خوبصورت انداز سے کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کی علمی شخصیت سازی میں معاون ثابت ہوگا اور ایک کارآمد پیش رفت کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اس طرح کی امید کی جاسکتی ہے۔

☆

کتاب کا نام: زعفران زار (ودربھ کی منتخب نگارشات)

موضوع: طنز و مزاح

مرتب: محمد اسد اللہ (9579591149)

مطبع : ودربھ ہندی اردو پریس کامٹی

موبائل، 09021132527

قیمت: 300/روپے

کتاب ملنے کا پتہ : الفاظ پبلی کیشن اینڈ ودربھ ہندی اردو پریس پھٹانا اولی کامٹی، ضلع ناگپور (مہاراشٹر)

مبصر : ذکی صدیقی (اورنگ آباد) (9371062367)

خوب صورت سرورق اور کور پیج سے سجی اس کتاب میں معروف ادیب و انشائیہ نگار محمد اسد اللہ نے علاقہ ودربھ کے مختلف قلم کاروں کی چنندہ نگارشات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمو دیا ہے۔ ۳۶۸/صفحات پر مشتمل اس کتاب کو پیش لفظ اور مقدمہ کتاب کے علاوہ تین مختلف ابواب میں بڑے دلنشین عناوین کے ساتھ پرویا گیا ہے۔ باب اول 'وجود زن' میں ودربھ کی خواتین قلم کاروں کی طنز و مزاح کی شستہ و امتیازی نگارشات پیش کی گئی ہیں۔ جن میں شفیقہ فرحت، ڈاکٹر بانو سرتاج، ثریا صولت حسین اور سلمیٰ نسرین کے دل نشین و ابتسام آفریں نمونہ ہائے قلم کاری شامل کئے

گئے ہیں ۔ باب اول ہی کے دوسرے حصے میں مرد میداں کے عنوان سے ودربھ کے مرد قلم کارانِ طنز و مزاح اور اور خاکہ نگاران کی زرق برق تحریریں درشائی گئی ہیں۔اس باب میں خود مرتب کی تحریروں کے علاوہ دیگر پندرہ اصحاب قلم کی کاوشوں کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ باب دوم بنام 'یاران بے پیالہ' میں ودربھ کے طنز و مزاح کے ان صاحبان قلم کی قلم ظریفیوں کو جگہ دی گئی ہے جن کے باضابطہ کوئی مجموعے تو شائع نہیں ہوئے تاہم جو اکثر رسالہ جات و جرائد کے صفحات پر رونق افروز رہے ہیں ۔تیسرے باب میں طنز و مزاح کے ودربھی قافلے کے شعراء تیر و نشتر ،تمسخر و گدی اور بزلہ سنجیوں کی منتخبات کو کتاب کے صفحات پر سجا دیا گیا ہے ۔ مرتب نے شناس نامے کے عنوان سے اپنا تعارف پیش کر کے کتاب کو سمیٹ دیا ہے۔الغرض یہ کتاب تحقیقی ادب کا ایک خوبصورت پڑاؤ ہے۔جس کا ذکر اس کے دلچسپ پیش لفظ میں کتاب کے مرتب اسداللہ کی عرق ریزی کا بہترین گن گان کرتے ہوئے شکیل احمد نے کیا ہے۔ مقدمہ کتاب میں اسداللہ نے شامل کتاب اکثر قلم کاروں کے مختصر تعارف بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب زعفران زار میدان تحقیق کے ضرورتمندوں و طالب علموں کے علاوہ عام قاری کی بھی دلچسپی کے سامان لئے ہوئے ہے۔

☆

کتاب : دکن کا مایہ ناز سپوت۔مجید بیدار (شخصیت اور فن)

مرتب : ڈاکٹر ارشاد احمد خان 9922043593

اشاعت : ۲۰۲۳ء قیمت : ۶۰۰/روپئے

طباعت : لولو پرنٹرس اینڈ پبلشرس حیدرآباد

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابؔر 9326772575

دبیز کاغذ کے ۴۴۰/صفحات اور انتہائی جاذب نظر کور پیج و مضبوط بائنڈنگ پر مشتمل کتاب ''دکن کا مایہ ناز سپوت' مجید بیدار (شخصیت اور فن) ڈاکٹر ارشاد احمد خاں کی کڑی محنت کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ارشاد احمد خاں نے اس کتاب کو بڑی لگن ،جستجو اور خلوص و محبت سے مرتب کیا ہے۔ یہ دراصل ایک ہونہار شاگرد کا ایک انتہائی قابل استاد کو پیش کیا گیا نذرانۂ عقیدت ہے جو ادب کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔ اس کتاب کی ابتداء عرض مرتب سے ہوئی ہے جس میں ایک جگہ ڈاکٹر ارشاد احمد خاں نے اس کتاب کی تفصیلات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

''مذکورہ کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔حصہ اول (الف) کے توسط سے مختلف موضوعات پر چوبیس (۲۴) مضامین شامل کئے گئے ہیں۔حصہ (ب) میں مجید بیدار کی جملہ دس (۱۰) کتب پر تبصرے ہیں۔حصہ (ج) خاکے کے لئے مختص ہے جس میں جملہ چار (۴) خاکے ہیں۔حصہ (د) انٹرویوز پر مبنی ہے۔حصہ (ہ) تاثرات پر مبنی ہے جس میں جملہ ستائیس (۲۷) بین الاقوامی اور قومی قلمکاروں اور طلباء کے تاثرات شامل کئے گئے ہیں۔'' (ص۱۱)

جن قلم کاروں نے ڈاکٹر مجید بیدار اور ان کے فن پر اظہار خیال کیا ہے ان کے نام یوں ہیں :

افتخار امام صدیقی ، مامون ایمن ، ڈاکٹر سید محی الدین جیبی ، ڈاکٹر فرحت علی صدیقی ، ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ، ڈاکٹر صدیق نقوی ، ڈاکٹر شیخ سیادت علی ، ڈاکٹر سجاد احمد خان ، ڈاکٹر شرف النہار ، ڈاکٹر حمید اللہ خان ، ڈاکٹر مسرت فردوس ، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر ، ڈاکٹر قاضی نوید ، ڈاکٹر ارشاد احمد خان ، ڈاکٹر عرشیہ جبین ، ڈاکٹر شیخ عمران ، ڈاکٹر اسریٰ فاطمہ ، ڈاکٹر حمیرہ تسلیم ، ڈاکٹر فرزانہ بیگم ، ڈاکٹر حشمت النساء ، ڈاکٹر میمونہ منظور ، رفعت النساء ، پروفیسر سیدہ جعفر ، ڈاکٹر عقیل ہاشمی ، صلاح الدین نیر ، ڈاکٹر رؤف خیر ، وکیل نجیب ، پروفیسر مقبول احمد مقبول ، پروفیسر سید فضل اللہ مکرم ، ڈاکٹر ریاض توحیدی ، ڈاکٹر غضنفر اقبال ، ڈاکٹر محمد عبدالعزیز سہیل ، ڈکٹر علیم اللہ حسینی ، ڈاکٹر طیب خرادی ، نورالحسنین ، پروفیسر نسیم الدین فریس ، ڈاکٹر نورالامین ، ڈاکٹر محمد انورالدین ، ڈاکٹر سید عباس متقی ، سائر مظہری ، ڈاکٹر عقیل ہاشمی ، شیخ علیم اسرار ، پروفیسر صغیر افراہیم ، پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی ، پروفیسر عطاء اللہ سجزی ، ڈاکٹر مجاہد حسین ،تبسم حجازی ، مرزا صہیب اکرام ، ڈاکٹر محمد رحیم الدین ، ڈاکٹر محمد غوث ، رفیق جعفر ، کمال الدین صدیقی ، نذیر فتح پوری ، معین الدین جینابڑے ، عزیز احمد اثر ، معین عثمانی ، ڈاکٹر سید شجاعت علی ، پروفیسر سعد الدین ، صابر علی سیوانی ، محمد تقی ، صادقہ نواب سحر ، ڈاکٹر فیروز عالم ، ڈاکٹر دانش غنی ، ڈاکٹر یوسف صابؔر ، ڈاکٹر مزمل سرکھوت ، ڈاکٹر محمد غوث ، میمونہ تحسین ، اسریٰ تسنیم اور سید شافع الدین۔ یہ کتاب ایک مکمل دستاویز ہے۔کتاب کے آخر میں اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر ارشاد احمد خان کا تعارف شامل ہے۔اس کتاب کو مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔صابر منزل ،گلزار باغ ،حیدر باغ ۔۲۔ ناندیڑ (مہاراشٹر)

(ڈاکٹر مجید بیدار نے اردو ادب کی خدمت میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تحقیق و تنقید کے ضمن میں ان کی متعدد ضخیم کتابیں منظر عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بے شک ''دکن کا مایہ ناز سپوت'' ان کی بے لوث خدمات کا اعتراف ہے۔) ☆

کتاب: نورالحسنین کے افسانوں کا انوواد سنگرہ (بھاگ ۲)

افسانہ نگار : نورالحسنین

مترجم : انور بھدرکی (ہندی) 9284701553

اشاعت : ۲۰۲۲ء قیمت : ۴۰۰؍روپے

طباعت : عذرا بک ٹریڈرس۔ ۲۸۶۱ کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔۰۲

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (اورنگ آباد)

موبائل : 9326772575

دبیز کاغذ کے ۴۴۸ صفحات پر مشتمل کتاب ''نورالحسنین کے افسانوں کا انوواد سنگرہ'' (بھاگ ۲) میں نورالحسنین کے ۴۱؍افسانے شامل ہیں۔ جن کا اردو سے انور بھدرکی نے ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ انور بھدرکی نے افسانوں کے نام اردو میں جیسے ہیں ویسے ہی رہنے دیئے لیکن تمام افسانوں کو انھوں نے ہندی زبان کا نہ صرف چولا پہنایا بلکہ افسانوں کا جسم اور روح بھی ہندی کردیا۔ انور بھدرکی اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں۔ انھوں نے محنت، لگن اور جستجو سے نورالحسنین کے افسانوں کا ترجمہ کرکے انھیں ہندی ادب کا حصہ بنا دیا۔ نورالحسنین افسانوی ادب میں اپنا بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کا شمار عصر حاضر کے صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انور بھدرکی نے جن (۴۱) افسانوں کے ترجمے اس کتاب میں شامل کئے ہیں، ان کے نام اس طرح ہیں :

سمٹتے دائرے، باہر کا منظر، مٹی، بدذات، ورثہ، پیاسے، واپسی، مورقص اور تماشائی، رنگوں کے اسیر، اللہ پانی دے، گود بھری رہے، جب باغ کا در کھلا، فریب زدہ، کیل سے بندھا ہوا شخص، جانشیں، گڑھی میں اترتی شام، ایک زندہ افسانہ، افق پر گرفت، سورج سوا نیزے پر، شہر خموشاں کا نقیب، سوال، سرد کمرے میں آتش دان، فقط بیان تک، بہ سلامت روی و باز آئی، ڈاکو پھر سے آ گئے، کلمہ گو، بس شرط اتنی ہے، کھڑکی سے آنے والا جھونکا، بیساکھیوں پر کھڑے لوگ، دھوپ میں جلتا گاؤں، جنت کا پھول، جال اندر جال، زہر، بھور بھئی جاگو، بیچ بھنور ندیا گہری، ۱۹؍مارچ ۲۳۵۰ء، ایک دن کی بات، بھیا ذرا دھیرج بہو، سرا تیری تو، یہ تیرے پُراسرار بندے اور زندہ در گور۔ کتاب کے آغاز میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت انور بھدرکی کے مضامین ہیں۔

(۱) نورالحسنین ایک نظر میں (مختصر و جامع تعارف) (۲) اپنے بارے میں کچھ (۳) پتنگ کے بارے میں دو شبد (۴) نورالحسنین : ایک کرتک تیاتمک (۵) نورالحسنین کے افسانوں کی دلکشتا، وودھتا اور ویشوتا۔ (۶) اورنگ آباد کی اِیتہاسک اور ساہتِک پرشٹھ بھومی کا پریچیاتمک وورن (۷) اورنگ آباد کی اردو افسانہ نگاری میں نورالحسنین کا استھان۔ کتاب کے فرنٹ کور پیج پر نورالحسنین کی تصویر ہے اور بیک کور پیج پر انور بھدرکی کی تصویر کے ساتھ ان کا مختصر تعارف ہے۔ انور بھدرکی نے ہندی میں ایم فل کیا، اس کے علاوہ انھوں نے اردو، اڑیا، ہندی، عربی، فارسی، انگلش، ہسٹری، سوشیالوجی، ایجوکیشن، لسانیات، فلاسفی، سوشل ورک، اکانومکس، ہیومن رائٹس، اومنس اسٹڈی، پولیٹکل سائنس، پبلک ایڈمنسٹریشن، امبیڈکر تھاٹس، گاندھین تھاٹس، انٹرنیشنل ریلیشن، جنرلزم اینڈ ماس کمیونکیشن میں ایم اے اور سائیکولوجی میں ایم ایس سی کی ڈگریاں حاصل کرلی ہیں اور اس وقت اردو سے پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ انور بھدرکی ایک نہایت محنتی محقق ہیں اور اس کتاب کو تحریر کرکے انھوں نے خود کو ایک بہترین مترجم بھی ثابت کردیا ہے۔

بطور نمونہ ایک افسانہ کا یہ پیراگراف پیش ہے۔

''धीरे बात करो ।''
''क्या धीरे बात करो – साहब यदि आज मेरी फाइल बड़े साहब तक नहीं पहुंची तो मैं हंगामा कर दूंगा । क्या समझते हैं आप मुझे । मेरी पहचान बहुत ऊपर तक है ।''
''अरे अरे चाचा – नाराज क्यों होते हो ।''
''जरा धैर्य से काम लिजिए ।''
मैं ने वृद्ध की ओर देखा ।
''और कितना धैर्य रखूं ....?''
(अफसाना : जाल अंदर जाल, पृ-335)

اس کتاب کو اس پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

Azra book traders, 2861 kucha chellan Delhi.

☆☆☆

غزل

چشتی سلیم بیدردؔ (پربھنی)
موبائل: 9970414056

اس کا کہنا جو ٹال دیتا ہے
اس کو اللہ زوال دیتا ہے

وہ ہی دیتا ہے حوصلہ دل کو
وہ جو رنج و ملال دیتا ہے

وہ جو چاہے تو آب کے باہر
مثل ''یونس'' اچھال دیتا ہے

صدقہ خیرات کرتے جا ناداں
یہ بلاؤں کو ٹال دیتا ہے

اس کی نظروں نے کچھ تو دیکھا ہے
وہ جو تیری مثال دیتا ہے

شرک کے تم قریب مت جانا
یہ مصیبت میں ڈال دیتا ہے

تیرے تقویٰ کو دیکھ کر بیدردؔ
وہ زباں میں کمال دیتا ہے

ISSN 2320-6519
AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

مختصر افسانے

''دولت کی آر''

سیماب منظر (ریسرچ اسکالر) حیدرآباد

چاروں طرف آسمان سے باتیں کرتی ہوئی برف پوش چوٹیاں سر بفلک خاموش کھڑے کیکٹس کے درخت اور چھلانگ مارتی ہوئی ہرنیاں گلابو کا دل بہلا رہی تھیں۔ کوئی دیہاتی گیت گاتے ہوئے گلابو کی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیا، آخر کار وہ بالکل قریب آ گیا۔ اس نے جوں ہی گلابو کو دیکھا اپنا گیت بند کر دیا۔ گلابو نے اسے غور سے دیکھا، وہ اتنا خوبصورت نہ تھا جتنا اس کا درد بھرا گیت تھا۔ اس نے گلابو کو آداب کیا۔ گلابو نے جواباً کہا: ''آپ کتنا اچھا گاتے ہیں۔'' دیہاتی نے شرماتے ہوئے کہا: ''جی! اسے میرے بابا بھی گایا کرتے تھے۔'' گلابو نے کہا ''آپ کے بابا؟''

''ہاں! ہاں ......میرے بابا'' دیہاتی بولا، اسی گاؤں کے پاس میں رہتے تھے۔ وہ بہت نیک انسان تھے، لیکن اس گاؤں کے زمیندار نے انھیں مار ڈالا۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

گلابو نے کہا: ''کیوں؟''

آج سے تیس برس پہلے میرے بابا جوان تھے، ان کی عمر پچیس سال تھی۔ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وہ بانسری اچھی بجاتے تھے اور سبھی کا دل لوٹ لیتے تھے۔ آپ جیسے مالدار شہر والے لوگ انھیں بہت روپیہ دیتے لیکن انہیں دنوں ایک شہری لڑکی رانی میرے بابا سے محبت کرنے لگی___! وہ روز ان کے پاس آتی، بانسری سنتی اور خیالوں کی دنیا میں کھو جاتی، لیکن یہ سب میرے بابا کو پسند نہیں تھا۔ وہ اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے۔ پھر میرے بابا نے اس جگہ پر جانا بند کر دیا۔ لیکن بات وہیں ختم نہیں ہوئی، جب میرے بابا گھر پر کھانا پکا رہے تھے، تو رانی دوسرے لوگوں سے میرے بابا کا پتہ پوچھ کر گھر آ گئی!! میرے بابا نے اسے بہت سمجھایا لیکن سمجھانے پر بھی وہ نہ مانی تو انھوں نے اس جنگل میں رانی سے ملنے کا وعدہ کیا، جہاں وہ اکثر جایا کرتے تھے۔ وہ دونوں ہر روز اسی جنگل میں جاتے اور پیار کے سمندر میں غوطہ لگاتے۔

اس بات کی چرچہ سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ رانی کا باپ جو اس علاقے کا زمیندار تھا، ایک دن میرے بابا کے یہاں آیا اور غضبناک لہجے میں میرے بابا کو سرِ بازار رسوا کیا___ ''میرے بابا نہایت شریف تھے۔ اس لئے انھوں نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ ہو نہ سکا اور پہلے کی طرح وہ پھر اسی جنگل میں ملنے لگے۔ وہ شام ہوتے ہی اپنے اپنے گھر لوٹ جاتے۔ رانی کے والد کو اس معاملے کی پوری جانکاری ہو گئی۔ وہ آگ بگولا ہو گیا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔ میرے بابا جنگل سے نکل گئے اور دوسرے گاؤں چلے گئے۔ گلابو کو اپنے بابا کی کہانی سناتے سناتے دیہاتی کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ ہچکیاں لے رہا تھا، گلابو نے اسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا: ''آپ کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔'' دیہاتی بولا کہ اس کی ماں نے اس کے بابا کی یہ کہانی اسے سنائی جب وہ مرنے لگی تھی۔ دیہاتی غمگین ہو گیا اور رانی سے کہا:

'' آپ بڑے لوگ ہیں جو ہم غریبوں کو آزادی سے جینے نہیں دیتے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے پھر وہی گیت گاتے ہوئے گلابوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

گلابو مجھے دولت والوں سے نفرت ہے۔ وہ سوچنے لگی کاش! وہ دولت مند باپ کی بیٹی نہ ہوتی تو یہ غریب دیہاتی نوجوان اس سے نفرت نہ کرتا۔

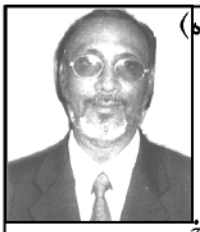

☆☆☆

تہنیت نامہ (قصیدہ)

علیم صبا نویدی کی نذر

شاعر: ستار فیضی کڈپوی
صدر: انجمن ترقی اردو کڈپہ شاخ

اس عمر میں رواں خدمت ہے آپ کی
اخلاص سے بھری محنت ہے آپ کی
اردو جہان میں عظمت ہے آپ کی
ہر ایک قلب میں عزت ہے آپ کی
پرنور خوب رو صورت ہے آپ کی
شفاف آئینہ سیرت ہے آپ کی
ہر صنف شاعری چاہت ہے آپ کی
اصناف پر سبھی قدرت ہے آپ کی
مفلس غریب یہ ہرگز نہیں میاں
اردو کی شاعری دولت ہے آپ کی
مشہور منفرد شاعر ادیب ہیں
بام عروج پر قسمت ہے آپ کی
القاب ان گنت اعزاز مل گئے
افکار سے بھری حکمت ہے آپ کی
فولاد سے ارادے عزم ہیں جواں
اک نوجوان سی صحت ہے آپ کی
سب کو ہے اعتراف ادبی جہان میں
تخلیق رات دن فطرت ہے آپ کی
تنقید تبصروں میں اور کلام میں
شیریں بیانی بھی عادت ہے آپ کی
جادو قلم میں ہے حضرت علیم کے
ہر صنف میں نہاں جدت ہے آپ کی
ہندوستان بھر فیضی تمام ہے
بے مثل بے کراں شہرت ہے آپ کی

موت کا چہرہ

ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری
دارالادب فراش گنڈ بڈگام کشمیر 191111
موبائل : 9149773980

گاؤں کا نمبردار یہ سمجھتا تھا کہ اس گاؤں میں سورج بھی اسی کے دم سے چڑھتا ہے اور غروب بھی ہوتا ہے۔ ندی کا پانی بھی اسی کی بدولت آتا ہے اور بارش بھی اسی کے اشاروں سے برستی ہے۔ بظاہر اس گاؤں میں ہر کوئی اس کی عزت کرتا تھا۔

نوجوانوں کو بھی معلوم تھا کہ رمضان میر نے ہمیشہ ہمارا خون چوسا ہے اور پورے گاؤں کو اس نے گھپ اندھیرے میں رکھا ہے۔ بغاوت کا مادہ ان میں نہیں تھا۔ ایک تو وہ اپنے بزرگوں سے ڈرتے تھے اور وہ انہیں کسی بھی صورت میں ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، کیونکہ ان لوگوں میں اندھا وشواس اس قدر سرایت کر گیا تھا کہ ان کے نزدیک دنیا میں رمضان میر سے بڑھ کر کوئی دوسرا تھا ہی نہیں۔ گاؤں میں برسوں پُرانی روایت تھی کہ ہر کام کا مشورہ رمضان میر سے کرنا لازمی تھا۔ اس کے علاوہ وہ رمضان میر کی طاقت سے بھی ڈرتے تھے۔ ان کے بیٹے، ان کے بھانجے بھتیجے کسی کو بھی ختم کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اس ڈر اور خوف کے ماحول میں جینا اب ان کی عادت سی بن گئی تھی اور کچھ لوگ اسی کو عزت اور احترام بھی سمجھتے تھے۔

ایک بار گاؤں کے ایک لونڈے رشا نے رمضان میر سے تیز لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی، کیونکہ اس کے والد سے ان کی پشتنی زمین کا کچھ حصّہ رمضان میر کا ایک رشتہ دار ہڑپ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لونڈے کو پہلے اس کے ہی باپ نے کا نگڈھی سے مارا اور پھر انہیں سب کے سامنے خوب گالیاں بھی دے دیں۔ وہ لڑکا شرمندہ ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ مجھے رمضان میر کے گریبان تک پہنچنے کے لئے اپنے باپ کی لاش سے گزرنا پڑے گا، جو کہ میرے لئے ناممکن ہے۔ برسوں سے پورے گاؤں میں میر کا ہی قانون چلتا آیا تھا۔ کچھ برس پہلے کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ گاؤں میں ایک لڑکی سلیمہ اور لڑکے فاروق کو شام کے وقت گھنے درختوں کی آڑ میں مشکوک حالات میں پکڑا گیا۔ یہ بات جب رمضان میر تک پہنچی، تو انہوں نے گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور دونوں کو پکڑ کر پہلے کئی گھنٹوں تک مرغیوں کے ڈربے میں بند کر کے رکھا۔ پھر انہیں وہاں سے نکال کر سلیمہ کے بال کاٹ لئے گئے اور انہیں سرعام سزا دے دی گئی۔ فاروق کے بھی پورے بال منڈوا لئے گئے اور اس کو نجاست لیپ کر گدھے پر بٹھا کر پورے گاؤں میں گھمایا گیا۔ ان کے پیچھے پیچھے بچوں کو ٹین بجانے کو کہا گیا۔ کچھ مہینوں کے بعد سلیمہ کی شادی کسی انجانے گاؤں میں ایک رنڈوے گلہ بٹ سے کرائی گئی۔ اس واقعے کے بعد فاروق اکثر بیمار رہنے لگا اور کچھ برسوں کے بعد بیماری اور تنگ دستی کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا۔

رمضان میر نے ایسا دباؤ بنا کے رکھا تھا کہ پورے گاؤں میں اس کی مرضی کے بغیر کوئی پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد سلیمہ اپنے بوڑھے شوہر کو چھوڑ کر اپنے میکے واپس آ گئی۔ رمضان میر نے اس کے گھر آنا جانا شروع کیا۔ سلیمہ کو اس بات کا پتہ چلا کہ رمضان میر کی نظریں ٹھیک نہیں ہیں، وہ اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہی۔ ادھر اس کے والدین بھی اسے سخت پریشان کرنے لگے کیونکہ ایک تو وہ ان کے لئے بوجھ بنی اور دوسرا یہ کہ لوگوں کے طعنے سُن سُن

کر وہ لوگ اب بہت تنگ آ گئے تھے۔ کچھ ہی مہینوں میں سلیمہ نے اپنا ناطہ پڑوس گاؤں کے رحمان ڈرائیور سے جوڑ دیا جس کی بیوی کا انتقال پچھلے سال ہوا تھا۔ سلیمہ نے نہ آگے دیکھا نہ پیچھے وہ ایک دِن رحمان کے ساتھ فرار ہوگئی۔ کچھ دنوں تک بات چلی پھر سبھی لوگ اپنی اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر ان چیزوں کو بھول گئے۔ دن گذرتے گئے گاؤں کے لوگ کاروبار میں لگے رہے۔ اپنے بچوں کو پڑھانے لگے۔ رمضان میر کو اب زیادہ لوگ پوچھتے نہیں تھے۔ اس کی عمر بھی اب ڈھل گئی تھی۔ صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ اس کے بچے اب الگ الگ گھر بسانے لگے۔ مگر جب بھی اس کو موقع ملتا اپنی اصلیت دکھاتا۔

سلیمہ کبھی کبھار اپنے میکے آتی جاتی تھی۔ اس کی شکل و صورت میں کچھ زیادہ فرق نہیں واقع ہوا تھا۔ اس کی بیٹی لالی اب کچھ سیانی ہونے لگی تھی۔ وہ اپنے نانہال آ کر اپنے سبھی رشتہ داروں اور پاس پڑوسیوں کے ہاں جاتی تھی اور بہت سارے اڈھیر عمر کے لوگ اسے باتوں باتوں میں مذاق کر کے کہتے تھے کہ تم سلیمہ کی بیٹی ہو۔ بہت بڑی ہوگئی ہو۔ ان کی ان باتوں یا کھسیانی ہنسی کا سب مطلب وہ سمجھ جاتی تھی اور اسے اپنی ماں کے چال ڈھال اور لوگوں کی باتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اس کے ماں کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ یہاں ضرور پیش آیا ہے جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ ابھی بھی انہیں تیکھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ایک دن وہ اپنی چھوٹی ممیری بہن حافظہ کے ساتھ کھیتوں پر جا رہی تھی کہ اس نے دیکھا چنار کے پیڑ کے نیچے بوڑھے رمضان میر نے اپنا دربار سجا کے رکھا ہے، (باقی صفحہ ۳۴ پر)

ایک مسیحا ایک قصائی

ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری
Cell: 9906834877

اس منحوس چہرے پر نظر پڑتے ہی گُلہ قصائی کے تن بدن میں آگ سی دہک اٹھتی اور وہ سامنے پڑے لکڑی کے تختے پر موجود گوشت کو تیز دھار چاقو سے بوٹی بوٹی کر ڈالتا۔ گُلہ قصائی کا یہ حیرت انگیز عمل کئی مہینوں سے جاری تھا۔ اس کی دکان کے سامنے چاہے خریدار ہو یا نہ ہو پھر بھی اس منحوس چہرے کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ خود بخود چاقو تھام لیتے اور اندھا دُھند گوشت کاٹنا شروع کر دیتے۔ نفرت انگیز غصے سے اُس کی آنکھیں لال پیلی ہو جاتیں اور گالوں پر سُرخی پھیل جاتی۔ کبھی کبھی کوئی خریدار گُلہ قصائی کی بدلتی رہتی عجیب وغریب کیفیت سے تھوڑا سا حیران ہو جاتا۔ ایک عرصہ سے گُلہ قصائی کی دکان سرکاری اسپتال کے مین گیٹ پر تھی۔ جوانی سے لے کر اب اس ادھیڑ عمر میں بھی وہ بڑی سرعت سے اپنا کام کرتا رہا۔ اُس کی خوش اخلاقی اور ایمانداری نے خریداروں کے دل جیت لئے تھے۔ وہ ہر کسی کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتا لیکن ڈاکٹروں کی عزت کرنے میں وہ کچھ زیادہ ہی فراخ دل ثابت ہوا تھا۔ جب بھی کسی ڈاکٹر کی گاڑی گیٹ سے آتی جاتی تو اُس کا ہاتھ سلام کرنے کے لئے فوراً اٹھ جاتا اور جب بھی کوئی ڈاکٹر گوشت خریدنے آتا تو گُلہ قصائی گوشت تولنے کے بعد ایک دو ٹکڑے لفافے میں زیادہ ڈال دیتا۔ ڈاکٹر لوگ جب گُلہ قصائی کی دریا دلی کی تعریف کرتے تو وہ مسکراتے ہوئے کہہ اٹھتا کہ ڈاکٹر کا پیشہ مسیحائی کا پیشہ ہوتا ہے۔ آپ لوگ نہ صرف عوام کی خدمت کرتے رہتے ہیں بلکہ ان کے دُکھ درد کا علاج کر کے انھیں تکلیف سے بھی نجات دلاتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنی زندگی کا ایک یادگار واقعہ انھیں ضرور سناتا کہ برسوں پہلے جب اس کی بیوی دردِ زہ کی حالت میں اسی اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی تھی تو ڈاکٹر مشتاق صاحب رات بھر اُس کے علاج معالجے میں جٹے رہے اور صبح کے وقت اُسکا آپریشن کر کے ایک پھول سی بچی میری گود میں مسکراتے ہوئے ڈال دی۔ میں نے شکریہ کہتے ہوئے جب چند روپے انھیں دینے کی کوشش کی تھی انھوں نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ مجھے سرکار آپ لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے ہی تنخواہ دیتی ہے۔ جاؤ' ان پیسوں سے بچی کے لئے کپڑے لاؤ۔

وقت بدلتا رہا اور بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سوچ بھی بدلتی گئی۔ انسانی دلوں میں انسانیت کے بدلے مادیت کا زہر پھوٹنے لگا۔

گُلہ قصائی کی بچی کا پاؤں بھاری تھا۔ وہ دوپہر کے وقت دکان کے کام کاج میں لگا ہوا تھا۔ اُس کا چھوٹا بیٹا دوڑتے دوڑتے دکان پر آ کر کہنے لگا کہ ماں نے کہا ہے کہ بہن کی طبیعت کچھ خراب سی ہوگئی ہے اس لئے جلدی گھر آ جاؤ۔ گُلہ قصائی دکان بند کر کے گھر کی جانب دوڑ پڑا اور بیٹی کو آٹو میں لا کر اسپتال میں ایڈمٹ کروایا۔ بیٹی دردِ زہ سے کراہ رہی تھی گُلہ قصائی ڈاکٹر کے علاج سے مطمئن تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر کے ساتھ اُس کی علیک سلیک تو ہے ہی' اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک آدھ گھنٹہ گزرنے کے بعد نرس نے گُلہ قصائی کے ہاتھ میں ایک پرچی تھما دی۔ گُلہ قصائی پرچی لے کر مارکیٹ میں دوائی کی

دکان پر چلا گیا اور دوافروش سے دوائی دینے کو کہا۔ دوافروش گُلہ قصائی کا جان پہچان والا آدمی تھا۔ اُس نے پرچی دیکھ کر گُلہ قصائی سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ وہ دوسری کمپنی کا دوا لکھ کر دیں لیکن گُلہ قصائی کو یہ بات سمجھ نہیں آئی اور وہ دوافروش سے جلدی جلدی دوا لے کر اسپتال کی جانب دوڑ پڑا۔ گُلہ قصائی وارڈ سے باہر بڑی بے قراری سے چہل قدمی کر رہا تھا۔ بیٹی کی کراہنے کی آوازیں اُس کے دل کو چھلنی کر رہی تھیں۔ اُس کی آبدیدہ نگاہیں بار بار اوپر کی جانب اٹھ رہی تھیں اور وہ سرد آہیں لیتے لیتے سرگوشی کے انداز میں دُعا مانگ رہا تھا کہ اللہ اُس کی بیٹی کو نظرِ رحمت سے نوازے۔ دن ڈھلتے ہی نرس نے گُلہ قصائی سے کہا کہ ڈاکٹر کی کوشش کے باوجود بھی آپ کی بیٹی کو کوئی راحت نہیں مل رہی ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب کی ڈیوٹی ختم ہو رہی ہے۔ اُن کو کلینک پر جانا ہے۔ آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو آپ کو شہر کے اسپتال جانا پڑے گا یا ڈاکٹر صاحب کے پرائیوٹ کلینک پر اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ جلدی مشورہ کرو نہیں تو دیر ہو جائے گی اور آپ کی بیٹی کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ نرس کی باتیں سُن کر گُلہ قصائی پریشان ہو گیا۔ بیوی سے مشورہ کر کے بیٹی کو کلینک میں ایڈمٹ کیا گیا۔ نرس نے دوائی کی ایک اور پرچی تھماتے ہوئے گُلہ قصائی سے کہا کہ اس کا میجر آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے تقریباً بیس ہزار کا انتظام کرنا ہوگا۔ بیس ہزار کا نام سنتے ہی گُلہ قصائی سکتے میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اتنی بڑی رقم کا انتظام کیسے ہوگا۔ چند ہزار تو میں نے اس دن کے لئے سنبھال کر رکھے ہیں' ان میں سے بھی زیادہ تر خرچ

ہوگا۔گُلہ قصائی نے جب یہ بات بیوی کو بتائی تو اس کا سر بھی چکر کھانے لگا۔میاں بیوی ابھی اس بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ زندگی اور موت کی کشمکش میں جھول رہی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن دیکھ کر باپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار نکل پڑی۔ بیٹی کے ہاتھ سے سونے کا کنگن لیتے ہوئے گُلہ قصائی کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے آج اُس نے اپنے ہی گھر میں ڈاکہ ڈالا ہو۔ مارکیٹ بند ہونے جارہا تھا۔گُلہ قصائی نے ایک دکان پر چڑھ کر سنار کے سامنے کنگن رکھ دیا۔سُنار نے کنگن کا وزن کرکے گُلہ قصائی سے کاروباری زبان میں کہا کہ سونے کا بھاؤ گر گیا ہے اور پھر یہ استعمال شدہ سونا ہے اس لئے پندرہ ہزار سے زیادہ اس کی قیمت نہیں ہے۔گُلہ قصائی کے اصرار پر سُنار نے اُسے سولہ ہزار دے دئے اور گُلہ قصائی پیسے لے کر کلینک کی جانب تیز رفتاری سے پہنچا۔ پیسے جمع کرنے کے بعد جب گُلہ قصائی ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں داخل ہوا تو اپنی بیٹی کی آخری آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی ___ بابا ___! گُلہ قصائی کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ہر طرف چیخنے چلانے کی آوازیں سن کر جیسے وہ بہرہ ہوگیا۔

گھر میں ماتم داری کے دن گزارنے کے بعد گُلہ قصائی دل پر پتھر رکھ کر دکان پر پھر سے بیٹھ گیا۔وہ اب سرکاری اسپتال کو ذبیح خانہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔اُس کا ہاتھ نہ کسی ڈاکٹر کو سلام کرنے کے لئے اٹھتا تھا اور نہ ہی وہ کسی ڈاکٹر کو ڈاکٹر مشتاق کی داستان سناتا تھا۔اُس منحوس چہرے کی گاڑی جب گیٹ سے اندر چلی جاتی تو گُلہ قصائی کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی اور وہ تیز دھار چاقو کو گوشت پر اندھا دُھند چلانا شروع کردیتا۔ عید قربان کا تہوار تھا۔عرفہ کی گہما گہمی سے بازار چمک رہا تھا۔گُلہ قصائی کی دکان پر لوگوں کی بھیڑ لگی تھی۔گُلہ قصائی گوشت کٹائی میں مصروف تھا کہ ایک مانوس آواز نے اُسے چونکا دیا۔اس منحوس چہرے کو دیکھتے ہی گُلہ قصائی کی آنکھیں لال پیلی ہوگئیں۔ اُس کے ہاتھ تھرتھرانے لگے۔ ڈاکٹر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اُسے ایک کلو گوشت چاہیے وہ بھی بھیڑ کا' کیونکہ اُس کی بیٹی کا پاؤں بھاری ہے۔ پیسے دیتے ہوئے اُس نے مزید کہا کہ وہ اسپتال سے چھٹی کے بعد گوشت لے گا۔ ''بیٹی کا پاؤں بھاری ہے'' والی آواز بار بار گُلہ قصائی کے کانوں سے ٹکراتی رہی۔اس آواز نے اُس کے اندر ایک خوش گوار احساس جگا دیا۔ دکان کے کام سے فراغت پاکر وہ دوافروش سے دوائی کی ایک شیشی لایا۔ شیشی کا ڈھکن کھول کر دوائی پانی میں ملادی اور گوشت کو پانی میں بھگونے لگا۔اُس کے ذہن میں عجیب وغریب قسم کے خیالات آتے رہے۔ وہ بڑی بے صبری سے ڈاکٹر کا انتظار کرتا رہا۔آدھے گھنٹے کے بعد ڈاکٹر جوں ہی گوشت لینے کے لئے آیا تو اُس نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کے ہاتھ میں گوشت بھرا الفافہ تھمادیا۔ڈاکٹر پارک والی جگہ پر گاڑی کی طرف جانے لگا۔گُلہ قصائی راحت کی سانس لے کر خیالات کے گہرے سمندر میں کھو گیا۔ ڈاکٹر نے جب گاڑی اسٹارٹ کی تو گُلہ قصائی کی آنکھوں کے سامنے عید کی خوشی کا منظر رقص کرنے لگا ۔اس کا ضمیر نیکی اور بدی کے بھنور میں ہچکولے کھانے لگا۔ڈاکٹر کے سلوک سے بدی کا پلڑا بھاری ہوتا رہا۔ یہی وہ منحوس چہرہ تھا جس نے گُلہ قصائی کی انسانیت کے جذبے پر حیوانیت کا تیشہ چلایا تھا۔ڈاکٹر کو گوشت دے کر اُسے یک گونہ سکون محسوس ہو رہا تھا۔وہ ان ہی عجیب وغریب خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ مسجد شریف سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔اللہ اکبر کی صدا سے گُلہ قصائی کو ایک جھٹکا سا لگا۔نیکی کا پلڑا بھاری ہونے لگا۔ گُلہ قصائی کا ضمیر اسے کوسنے لگا کہ تو صرف قصائی ہے جلاد نہیں۔بیٹی کی ''بابا'' والی آواز پھر سے گُلہ قصائی کے کانوں سے ٹکرائی۔لیکن یہ آواز جلاد سے بدلہ لینے کے لئے نہیں بلکہ بیٹی کی جان بچانے کی آواز تھی۔گُلہ قصائی ننگے پاؤں گاڑی کی طرف دوڑ پڑا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر گوشت کا لفافہ اٹھاتے ہوئے بول پڑا ''یہ بکرے کا گوشت ہے بھیڑ کا نہیں ___'' آپ کو ابھی بھیڑ کا گوشت لاکر دیتا ہوں۔☆☆☆

نثری نظمیں

اختر صادق (ناندیڑ)

موبائل : 9673407199

''تشنگی''

صرف واہ نہ کیجئے حضور
نقد کے کنویں میں
نظر کی رسی ڈال کر
معنی کے ڈول بھر بھر کر
میرے پیاسے مشکیزۂ خیال کی
کچھ تشنگی کا مداوا بھی کیجئے ☆

''دل کے کنارے''

سکون سے بہتے دریا کو دیکھ کر
دل نے بھی
مچلنا چھوڑ دیا
لیکن ایک مچھلی اچھلی اور
دل کے کنارے پھیل گئے
چاند دریا میں اترا
اور چکور پاگل ہوگئے ☆

وجود کی شائستگی

وجاہت قریشی (اورنگ آباد)
موبائل : 9850398300

گزشتہ چند یوم سے عرشی بڑی اضطرابی کیفیت سے دوچار تھی۔ کسی کام میں اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ بے چینی کے عالم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بیٹھتی، کبھی ٹہلنے لگتی اور کبھی خلاء میں دیکھتی رہتی۔ جب سے عرشی پر یہ راز عیاں ہوا کہ اس کا مجازی خدا واجد اپنے من مندر میں نوشین کو بسا کر چپکے چپکے پوجے جا رہا ہے۔ تو اس نے اسے اپنا وہم سمجھ کر جھٹک دیا اور واجد کی زبانی اس کڑوی حقیقت کو سننے کی منتظر رہی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے اور وقت کا کبھی نہ بوڑھا ہونے والا پرندہ اپنے پر پھیلائے آسمان کی بلندیوں کو چھوتا جا رہا تھا۔ عرشی نے خدا کی مرضی اور اپنی قسمت کا لکھا جان کر حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ کبھی کبھی سوچنے لگتی تھی کہ ہم عورتوں کو بھی کتنے محاذوں پر سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ مردوں نے عورتوں کو شکست دینے کے لئے کئی محاذ کھول رکھے ہیں۔ عرشی نے اس رشتے پر کبھی واجد سے تکرار نہیں کی۔ تکرار کرنے کا رواج بھی نہیں تھا اس گھر میں، جہاں سے وہ بیاہ کر آئی تھی، شادی کے بعد واجد نے اس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی، ہر خواہش کی تکمیل کی تھی، اس پر بھرپور اعتماد کیا تھا، مگر اسے دکھ اس بات کا تھا کہ کاش! واجد اس اعتماد کو قائم رکھتے ہوئے اس راز کو بھی مجھ پر عیاں کرتے، اگر وہ اس راز کو مجھ سے پوشیدہ رکھ کر مطمئن ہیں تو میں بھی سب کچھ جان کر انجان بنی رہوں گی۔ اس عزم کے ساتھ وہ اپنی زندگی کو معمول پر لانے کی کوشش میں مگن رہی۔ اکثر دونوں کے درمیان فون پر ہونے والی گفتگو وہ انجانے میں سنتی رہتی اور تمام تر حالات سے آگاہی حاصل کر لیتی۔

یہی سلسلہ ایک عرصے تک جاری تھا اور عرشی کے صبر کا امتحان بھی۔ کل کی دونوں کے درمیان گفتگو سن کر عرشی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی حادثہ میں نوشین کو معمولی چوٹیں آئیں اور وہ دواخانہ میں شریک ہے۔ دوسرے دن کسی اہم اور ضروری میٹنگ کی وجہ سے واجد کو بیرون شہر جانا تھا۔ اس نے فون پر نوشین کو تفصیل بتا دی تھی اور آنے سے معذرت چاہ لی تھی۔ عرشی نے سوچا یہ ایک اچھا موقع ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل صبح نوشین کی عیادت کو جائے گی۔ فون پر ہونے والی گفتگو سے اسے اسپتال کا پتہ چل گیا تھا۔ دوسرے دن ایک خوبصورت گلدستہ لے کر وہ تنہا ہی نوشین سے ملنے چلی گئی۔ ریسیپشن پر نوشین کا وارڈ معلوم کر لیا تھا۔ عرشی نے اسے گلدستہ دیتے ہوئے کہا :

''میں عرشی واجد'' آپ کی عیادت کے لئے آئی ہوں۔ نوشین اس کی غیر متوقع آمد سے حیران ہوتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ عرشی نے اسے سہارا دیتے ہوئے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے کہا: ''پتہ نہیں آپ مجھے جانتی بھی ہیں یا نہیں، مگر میں آپ کو جانتی ہوں۔''

''کیا.....کیا.....آپ مجھے جانتی ہیں؟'' نوشین نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ہاں، شاید کوئی دن ایسا نہیں ہوگا جب آپ دونوں کی ملاقات کے علاوہ فون پر بات چیت نہیں ہوئی ہوگی۔ میں انجانے میں سب کچھ سنتی رہتی گو، یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔ مگر ایک گھر میں رہ کر اپنے کان تو بند نہیں رکھ سکتی، بھلے ہی

زبان بند رکھوں۔ بس اسی طرح آپ کا غائبانہ تعارف ہوتا رہا اور آج بالمشافہ ملاقات بھی ہوگئی۔ جبکہ میرے اس طرح اچانک آنے کا آپ کو اور واجد کو کبھی گمان بھی نہیں گزرا ہوگا۔ میں صرف آپ کے نام سے واقف تھی۔'' عرشی نے آہستہ سے کہا۔

''کل فون پر میری آواز سن کر آپ نے فون بھی کٹ کر دیا تھا۔'' عرشی نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں __'' نوشین نے ندامت سے کہا: ''آپ شرمندہ نہ کیجئے۔ میرے ساتھ کچھ مجبوریاں اور پابندیاں واجد نے لگا رکھی تھیں۔ یہی پابندیاں انہوں نے اپنے اوپر بھی لگا رکھی ہیں۔ مگر بہت سی باتیں زبان سے نہیں بلکہ چہرے اور حرکات وسکنات سے بھی عیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی اس کیفیت سے واجد دوچار تھے جسے میں نے پڑھ لیا۔ کیوں کہ چہرہ بھی ایک کھلی کتاب ہوتا ہے، میرے پوچھنے پر بھی آفس کی مصروفیات اور کام کی الجھن بتا کر صاف دامن بچا گئے تھے مگر میں سمجھ گئی تھی کہ یہ الجھن اور مصروفیات کیا ہو سکتی ہیں؟''

نوشین دل ہی دل میں عرشی کی گفتگو اور ذہانت سے متاثر ہو کر خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ تب خاموشی توڑتے ہوئے نوشین نے کہا :

''میرے متعلق اتنے طویل عرصے میں واجد نے کبھی آپ کو کچھ بتایا نہیں؟''

''واجد اور وہ بھی مجھے، کچھ بتائیں گے !! آج تک انہوں نے میرے سامنے تمہارا نام تک نہیں لیا۔ میں نے اپنے طور سے سب معلومات حاصل کیں اور بھلا عشق اور مشک کہیں چھپائے چھپتے ہیں؟ وہ مجھے لاعلم

رکھ کر مطمئن ہیں تو مجھے سب کچھ جان کر لاعلم رہنے میں ہی عافیت نظر آئی۔ جب واجد عشق میں جیسے جاں بہ لب تھے میں تب بھی خاموش رہی۔ ان کے ساتھ کبھی تکرار نہیں کی، اگر میں ایسا کرتی بھی تو اس میں میرا ہی نقصان تھا۔ عورت تو ہمیشہ سے ہی خوف کے سائے میں اپنی ازدواجی زندگی بسر کرتی ہے، پتہ نہیں کب مرد زندگی کی دشوار راہوں میں اسے تنہا تڑپتا ہوا چھوڑ جائے۔ اسی خوف اور رسوائی کے اندیشے کے سبب عورت ہر ایثار کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں واجد کی زبان سے آپ کا نام سن کر میرا دل بجھ سا جاتا تھا۔ میں بھی ایک عورت ہوں اور کوئی عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر تقسیم ہو، قسطوں میں پیار کرے، تب بھی میں نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے ٹکراؤ کی صورت پیدا نہ ہونے دی۔ ٹکراؤ سے ازدواجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ ہی ہوتا ہے، اس لئے حالات سے سمجھوتہ ہی بہتر تھا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ واجد نے مجھے ہمراز نہیں بنایا اور تمہارا راز مجھ سے پوشیدہ رکھا، چاہے ہمارے درمیان رشتہ جو کچھ بھی ہو، مگر واجد جس کو اس قدر چاہنے لگے، پھر میں بھلا اس ہستی سے کیسے نفرت کر سکتی ہوں؟''

عرشی نے نوشین کے ہاتھ کو ہلکے سے دباتے ہوئے کہا: ''پلیز، جس طرح واجد کے کہنے پر آپ نے مجھے اپنے رشتے سے لاعلم رکھا، اب ہماری خفیہ ملاقات کا بھی ان سے ذکر مت کیجئے۔ ہوسکتا ہے واجد نے سوچا ہوگا، مجھے سب جان کر دکھ ہوگا مگر ان کے لاکھ چھپانے پر بھی میں نے ان کا چہرہ پڑھ لیا ہے۔ یہی خیال انہیں ہمیشہ شرمندہ رکھے گا۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ میاں بیوی کے رشتے میں اعتماد کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ وقت کافی ہو چکا ہے، کہتے ہوئے عرشی نے نوشین سے مصافحہ کیا اور جانے کے لئے پلٹی۔ نوشین اُس صبر اور ایثار کی دیوی کے وجود اور شائستگی سے بہت متاثر ہوئی۔ عرشی کے متعلق اس کے ذہن میں جو بدگمانیاں اور گلے شکوے تھے وہ سب جیسے ہوا ہو گئے۔ عورت کے اس روپ سے وہ حیران تھی۔ کاش یہ مرد سمجھ لیں پیار کرنا، پیار دینا اور پیار سنبھالے رکھنا جتنا اہم ہے اتنا ہی اہم وہ اعتماد بھی ہے جو پیار کو مضبوطی عطا کرتا ہے۔ واجد نے اس مضبوطی کو کمزور کیا ہے۔ عرشی کچھ سوچتے ہوئے نوشین کے پاس سے اٹھی اور کچھ سوال چھوڑے اور کچھ سوال اپنے ساتھ لئے چل پڑی۔

☆☆☆

☆☆☆☆

بقیہ: موت کا چہرہ

وہاں ان کے پاس کچھ زیادہ لوگ موجود نہیں تھے جو بھی تھے ان میں زیادہ تر لوگ بڑی بے توجہی سے حقہ پی کر اس کی باتیں سُن رہے تھے۔ اسی اثنا میں جب رمضان میر کی لالی پر نظر پڑ گئی، تو اس نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

کیا نام ہے تمہارا ___ ؟

لالی !

تم کس کی بیٹی ہو ___ ؟

اپنے باپ کی (لوگوں نے زبردست قہقہہ مارا)

اپنے باپ کا کائی نام تو ہوگا۔

ہاں انہیں رحمان ڈرائیور کہتے ہیں۔

یہاں کوئی رحمان ڈرائیور نہیں ہے۔

پاس گاؤں کا رحمان ڈرائیور یہاں میرا نانہال ہے ___

اچھا ___ تم سلیمہ کی بیٹی ہو ___ ؟

تیری شکل وصورت ماں سے ملتی جلتی ہے۔ اس حرام زادی نے .....! ماں کے نام گالی سنتے ہی لالی نے رمضان میر کے دائیں گال پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ رمضان میر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بائیں جانب گر گیا۔ پسینے اور پیشاب سے اس کے کپڑے بھی گیلے ہو گئے۔ لالی وہاں سے بھاگ گئی۔ کسی نے اسے پکڑنے کی جرأت نہیں کی! وہاں پاس بیٹھے گاؤں والوں نے رمضان میر کو سنبھال تو لیا، مگر اس ایک تھپڑ نے رمضان میر کی حالت بالکل بدل ڈالی۔ اس کے چہرے کا رنگ یکدم فق پڑ گیا۔ اس نے پانی مانگنے کا اشارہ کیا۔ اسے پانی پلا کر گھر لے جایا گیا، مگر اب اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ تیز لہجے میں بات کرے۔ مضمحل ہو کر اس نے گھر والوں سے کوئی چیز مانگی۔ کافی علاج معالجہ کروایا گیا، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ دن بہ دن اس کی حالت بگڑتی گئی۔ وہ اب صرف گاؤں والوں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔

دِن گذرتے گئے۔ گاؤں میں ہر کوئی اپنی اپنی فکر میں مست ہو گیا۔ رمضان میر نے کھانا پینا بہت کم کر دیا۔ اس کا پورا جسم سکڑ گیا۔ ایک صبح دیکھا گیا کہ وہ مُنہ کھلا رکھے ہوئے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ہمسایوں کو بلایا گیا۔ بہت کم لوگوں نے اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ لوگ کہتے تھے نمبردار کو اس بچی کے تھپڑ میں اپنی موت کا چہرہ نظر آ گیا تھا۔

☆☆☆

خاکچہ

خاکچہ نگار : غلام ثاقب
(بیڑ)
موبائل :
9226368493

☆

ارسطو وظفر کا ثانی

حضرت ندیم مرزا

نہرو کرتا پاجامہ میں نحیف و لاغر ۷۳/ سال پرانی جسمانی کایا میں ایک دردمند دل جس میں کائنات کا درد سمایا ہوا ہے۔ آنکھوں پر چشمہ امید رجائیت سے لبریز و روشن۔ سرمئی نیلگوں ہو چکی آنکھوں کی پتلیاں۔عہد رفتہ کی نشانی۔اردو کی خدمت میں صرف کی جوانی۔کتابت،اخبار ورسائل کی ترسیل سے بسوں کی کنڈکٹری تک طویل مسافت زندگی کا مسافر۔سفید ریش،سفید عمامہ میں لپٹا ہوا سر ارسطو کی علامت۔ قد دراز حیثیت کی طرح۔ مثنوی مولانا روم کے کرداروں کا عالم۔آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ہوبہو شباہت۔نسبت بھی شباہت بھی ہر دو صفات سے متصف شخصیت۔علم وحکمت سے لبریز ذہن۔ نہایت متانت و سنجیدگی کا مظہر لیکن مزاج میں ظرافت۔بچوں سے ہلکی ہلکی ظرافتی گفتگو۔ذو معنی لب ولہجہ۔مجاز بیعت وخلافت۔اساتذہ ومشائخین کا ادب واحترام۔ذکر الٰہی سے سانسیں اور حب نبیؐ سے سینہ مامور۔ غیرت ایمانی کا سودا سر میں جاگزیں۔ ایمانداری کی جیتی جاگتی تصویر،صبر واستقلال کا پہاڑ بن کر جینے والے رموزی شاہ لقب پانے والے صوفی شاعر،ادیب ونقاد۔آن لائن عالمی سیمیناروں اور ادبی نشستوں کی معتبر صدارت۔امت کے درد سہہ سہہ کر رقیق القلب ہوگئے،اردو ادب کی شیریں گفتاری کی بہترین مثال،کئی کتابوں کے مصنف نام مرزا عظمت اللہ بیگ قلمی نام ندیم مرزا،خاکچہ نگاری کے موجد نئے دور میں پرانی اقدار کی پاسداری کی روشن مثال۔ یہ ہیں حضرت ندیم مرزا۔

☆

لفظ جس سے مہکے!

غوثیہ سلطانہ نوری (امریکہ)

اتنی متین اتنی سنجیدہ اتنی شگفتہ اور اتنی خوب سیرت خاتون امریکہ کی سرزمین پر ہو تو امریکہ کو اہل ادب خوش قسمت کہیں۔اردو والوں پر جاں نثاری۔ ہر کوئی زبان وبیان کا معترف ان کی شخصیت کا قائل۔مستقل کئی کتابوں کی تصنیف میں مصروف۔چونکانے والے اشعار کی خالق۔شاعری تانیثی ادب کا آئینہ۔شاعری اک لڑکی اور دور حاضر کی عورت کی ذمہ داریوں کا خوبصورت بیانیہ۔ اپنے جذبات و احساسات بچوں اور شوہر کی نذر کرنے والی۔ ناکامی اور نامرادی کے اظہار سے کوسوں دور۔جسے میسر آجائیں خوش نصیب ہوجائے۔ امریکہ کے جدید ترین ماحول میں حیدرآبادی تہذیب کی مٹی کی خوشبو بن کر مہکتی ہیں۔ ادب کا بسیط وعریض مطالعہ۔بشریات کی ماہر۔ریڈیو پر طویل عرصے تک اردو کی شفافیت اور پاکیزگی ان کی آواز میں محسوس کرانے والی۔مترنم ومتبسم آواز اتنی خوبصورت کہ کسی دکھی انسان کو اگر ان سے گفتگو کا شرف مل جائے تو ٹوٹے ہوئے دل کو نئی زندگی اور زندگی کو تازگی مل جائے۔بہترین طالب علم ہیں۔کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ ان کے لئے کوئی نیا یا اجنبی ہے۔ ہر بار نئی نئی چیزیں ایکسپلور کرنے کا تجسس۔عالمی اردو ادب کے کینواس پر گہرے اور چٹخ رنگوں کے خوبصورت نقوش مزین کئے ہیں۔درجنوں پروگرامس سجانے والی۔ادب وشاعری کا نور لفظ لفظ سے چمکتا نظر آئے۔ ہر نظر جنہیں قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھے یہ ہیں ادب کی پروقار شخصیت،شکاگو امریکہ میں ساؤتھ ایشین کلچرل سوسائٹی کی روح رواں غوثیہ سلطانہ نوری۔

☆

پیڑ جس کے برگ ہزار

ڈاکٹر نذیر فتحپوری

ایک سو پانچ کتابوں کے مصنف۔داڑھی اور چہرہ بہت خوبصورت۔ پاکیزگی اور نفاست کا آئینہ ان کی شخصیت سے ہر کوئی متاثر۔اعزازی پی ایچ ڈی اور ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے متشرف۔ سلطان اختر سے والہانہ محبت اور پدرانہ شفقت۔اسی باہمی نسبت ربط و ضبط کے نتیجہ خطوط کا مجموعہ۔اپنے آپ میں ایک ادبی انجمن علمی یونیورسٹی۔ راجستھان سے پونہ تک کئی عمارتوں کی بنیاد کا خمیر۔متنوع موضوعات پر لکھنے والے ادیب۔مقالہ نگاروں کے مقالہ جات کا پسندیدہ موضوع ان کی شخصیت بہترین انسان،حق گو صاف ستھرے کردار کے مالک اپنی والدہ سے آخری عمر تک بچوں ہی کی طرح محبت کرنے والے۔ یہ ہیں چالیس برسوں سے اسباق کے حرف حرف کو کھینچ کر ادب کو سینچنے والے بے مثال نامور ادیب نقاد شاعر اور مدیر نذیر احمد خان عرف ڈاکٹر نذیر فتحپوری۔ ☆☆☆

منی افسانے و افسانے

(منی افسانہ)

خیرات کی افطاری

علیم خان فلکی

حاجی اقبال اگرچہ گاؤں کے متمول ترین تاجروں میں ایک تھے۔ کبھی ان کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ واپس نہ جاتا۔ لیکن افطار وہ محلے کی مسجد میں ہی کرتے جہاں محلے والوں کے گھروں سے افطاریاں وہاں آتی تھیں۔ کوئی کیلے بھیجتا تو کوئی بھجیے، کوئی چنے بھیجتا تو کوئی کھجور۔ موذن صاحب یہ مٹی کی سینکوں میں ڈال کر تمام روزہ داروں کے سامنے رکھ دیتے۔ حاجی صاحب کے بچوں کو بڑا غصہ آتا تھا کہ گھر پر نعمت موجود ہے لیکن ابا جی کو یہی خیراتی افطاری کیوں پسند آتی ہے۔ ایک دن انہوں نے بتا ہی دیا کہ راز کیا ہے۔ کہا کہ ''ابّا جان کے انتقال کے بعد دو وقت کے کھانے کے بھی لالے پڑ گئے تھے۔ رمضان آتا تو کچھ راحت ہو جاتی۔ میں میرے حصے کی افطاری کی سینک لے کر سیدھے گھر دوڑتا، وہاں امی جان کے ساتھ روزہ کھولتا اور ہماری رات گزر جاتی۔ اب بھی جب افطاری کی سینک میرے ہاتھوں میں آتی ہے، میرے سامنے میری امی جان ہوتی ہیں۔ جس دن افطاری زیادہ آجاتی وہ خوش ہو کر کھاتیں، جس دن کم ہوتی وہ کہتیں بیٹا آج میری طبیعت سہی نہیں، مجھے کھایا نہیں جا رہا ہے، تو ہی پلیٹ صاف کر دے۔ ہمارے لئے وہ اس وقت من وسلویٰ سے کم نہ ہوتی۔ آج گھر پر بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں سب ہیں، لیکن میری امی جان نہیں۔ یہ ایک مہینہ تو مجھے میری ماں کے ساتھ کچھ دیر کے لئے سہی رہنے دو۔'' ☆

(افسانچہ)

سر درد

محمد علیم اسماعیل (ناندورہ)

''پانی، پانی، پانی .... بیٹا تو کہاں ہے؟ ذرا تھوڑا پانی لانا .... بہو ایک گلاس پانی پلانا .... کوئی تو پانی لاؤ بہت پیاس لگی ہے۔''

پیاس کی شدت میں وہ بار بار آواز دے رہی تھی۔

اسی وقت بیٹا باہر سے گھر میں داخل ہوا۔

ماں کی آواز سنی اور بیوی کی طرف دیکھا۔

چہرے پر جھنجھلاہٹ نمودار ہونے لگی۔

اس نے ساتھ لائی سوڈے کی بوتل بیوی کو دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ آج کل کتنا پانی پیتی ہیں امّی، آپ کے اس ہنگامے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔''

اپنے بیٹے کو پہلی آواز پر ہی پانی پلانے والی ماں ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔ ☆

دہشت گرد

ارشد صدیقی (بیڑ)
موبائل : 8999434891

میرا کوئی ضمیر ہے نہ ہی ایمان اور مذہب .....

میرا کوئی باپ ہے نہ ماں .....

میرا کوئی بھائی ہے اور نہ بہن .....

مجھے رشتوں سے کوئی سروکار نہیں .....

اور نہ ہی مجھے اپنی مٹی سے کوئی محبت ہے .....

معصوم اور بے گناہ لوگوں کی جان لینا میرا ایمان ہے

کیونکہ میں ایک دہشت گرد ہوں .....

صرف دہشت گرد .....

وہ ہنستے ہوئے میرے سامنے سے گذر گیا۔ ☆

(افسانچہ)

دین اور دنیا

ڈاکٹر یوسف صابؔر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

سعد اللہ جمعہ کے دن مسجد میں بیان دیتے ہوئے پُر جوش آواز میں کہہ رہے تھے: شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے، یہ انسان کی دین اور دنیا دونوں برباد کر دیتی ہے۔ تبھی میری اور سعد اللہ کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔ مجھے ایسا لگا سعد اللہ دین ہے اور میں دنیا ____!!

ہم دونوں بھی کل شہر کے ایک میخانے میں آمنے سامنے بیٹھے دیر رات تک شراب کی چسکیاں لے رہے تھے اور میرے سر میں اس کا ابھی تک خمار باقی تھا۔☆

(منی افسانہ)

بود نا بود

ڈاکٹر نخشب مسعود
(مالیگاؤں)
موبائل : 9372012930

''اس کی آنکھیں کتنی روشن اور چمکدار ہیں اور اس کا ماتھا بھی کھڑا اور کشادہ ہے۔''

''جی ہاں! یہ زمین مخلوق تھی۔''

''کیا یہ اب کرۂ ارض پر آباد نہیں ہے؟''

''جی نہیں! یہ نسل انسانی اب صفحۂ ارض سے ناپید ہو چکی

ہے۔اب ان کا وجود تک باقی نہیں رہا۔اس نے آپس میں لڑ جھگڑ کر اپنی دنیا کو خود برباد کر دیا۔اب زمین پر کوئی ذی روح باقی نہیں ہے۔ہم نے یہ ایک لاش اچھی حالت میں پائی تو اپنی دنیا کے عوام اور طلباء کی معلومات کے لئے اپنے میوزیم میں بائیولوجیکل اسٹڈی کرنے والوں کے لئے اٹھالائے۔''

''اس قدر ذہین وفطین انسان نے آخر یہ سب کیوں کیا؟''

''اقتدار،شہرت اور مال و دولت کا نشہ اور ملک کشی کی ہوس بہت بری شئے ہے اور پھر آدمی کو زیادہ عقل مند ہی نہیں تھوڑا بے وقوف بھی ہونا چاہئے۔''

''جیسے ___ جیسے ____''

''جیسے''

ایک آواز ابھری اور دب گئی۔

''کہونا ___ کھل کر کہو۔''

جیسے ہم ہیں!

یہ سنتے ہی فضا میں ایک قہقہہ بلند ہوتے ہوتے دب کر رہ گیا۔ ☆☆☆

(افسانچہ)

اطمینان

ڈاکٹر عظیم راہی
(اورنگ آباد)
موبائل :9370992203

جب اس نے اپنوں کے سامنے سچ کہا تو وہ ناراض ہو گئے۔

اور جب اِن کے سامنے جھوٹ کہا تو وہ خوش ہو گئے۔

سچ اور جھوٹ کے درمیان وہ زندگی بھر اسی طرح ناراض اور خوش ہوتا رہا۔

لیکن اپنے اس احساس کے باوجود اسے اس بات پر خوشی اور اطمینان حاصل تھا کہ وہ ہمیشہ خود کو ناراض نہیں رکھ سکا۔

بقیہ : مجروحؔ سلطان پوری کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ

مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں رہبر، قافلہ، کارواں، راہی، منزل کا ذکر ہے اور اِن الفاظ کے استعمال سے انھوں نے دل کو چھو لینے والے اشعار تخلیق کئے ہیں۔جیسے ؎

مجروحؔ قافلے کی مرے داستاں یہ ہے
رہبر نے مل کے لوٹ لیا راہزن کے ساتھ

مجروحؔ سلطانپوری غزل کے عاشق تھے، انھوں نے غزل کی آبیاری کر کے غزل کے لئے نامساعد حالات میں بھی نہ صرف غزل کی آبرو کی حفاظت کی بلکہ غزل کو نیا رنگ و آہنگ بھی دیا۔انہوں نے فلمی غزلوں میں بھی غزل کی آبرو پر آنچ آنے نہ دی، چونکہ وہ ۱۹۴۶ء سے ہی فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے تھے۔اس لئے انھیں ادبی دنیا میں اپنے جوہر کھل کر دکھانے کا موقع نہیں ملا۔اسی وجہ سے ان کی غزلوں کا ایک ہی مجموعہ ''غزل'' ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا اور مزید کوئی مجموعہ شائع نہ ہو سکا لیکن ایک ہی مجموعہ کے کئی ایڈیشن وقفہ وقفہ سے شائع ہوتے رہے۔مجروحؔ سلطان پوری کی فلمی غزلوں میں لتا منگیشکر کی گائی ہوئی یہ غزل بھی بہت مقبول ہوئی جس کا مطلع ہے

ہم ہیں متاعِ کوچہ و بازار کی طرح
اٹھتی ہے ہر نگاہ خریدار کی طرح

اور مقطع ہے ؎

مجروحؔ لکھ رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہ گار کی طرح

مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں میں سوز کے ساتھ ساز بھی ہے۔ان کی غزلیں انسانوں کے دلوں میں اترتی ہیں اور ان کے اکثر اشعار سننے کے بعد دلوں پر نقش ہو جاتے ہیں۔مجروحؔ سلطان پوری نے اپنی غزلوں میں فرسودہ مضامین سے انحراف کیا اور کلاسیکیت کے ساتھ جدیدیت بھی پیدا کی۔جیسے ؎

کس نے کہا کہ ٹوٹ گیا خنجر فرنگ
سینے پہ زخم نو بھی ہے داغ کہن کے ساتھ

مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں میں انسان کی زندگی کے داخلی و خارجی مسائل ملتے ہیں اور ان کے حل کے لئے اشارے بھی۔ مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں کے اکثر اشعار انسانیت، بھائی چارہ، ہمدردی اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا درس دیتے ہیں۔انہوں نے نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے درد کو بھی محسوس کیا ہے ؎

مجھے یہ فکر سب کی پیاس اپنی پیاس ہے ساقی
تجھے یہ ضد کہ خالی ہے میرا پیمانہ برسوں سے

مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں میں عام انسان کے جذبات و احساسات کا عکس ملتا ہے۔اِسی لئے ان کی غزلوں کو عوام میں زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔فنی اعتبار سے بھی مجروحؔ سلطان پوری کی غزلیں پرفیکٹ ہیں۔ مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں میں روانی، شائستگی اور سنجیدگی ملتی ہے۔

''بیسویں صدی'' کے صفحہ اول کے منتخب غزل گو شعراء کی تقریباً تمام ادبی تاریخ میں مجروحؔ سلطان پوری کا نام شامل ہے۔ مجروحؔ سلطان پوری نے زندگی کی شاعری کی ہے۔اور اپنے آپ کو ادب کی تاریخ میں محفوظ کر لیا۔مجروحؔ سلطان پوری کی غزلوں کے اکثر اشعار نہ صرف تقریروں میں بلکہ افسانوں اور مضامین میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

☆☆☆

مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت غزل گو

ڈاکٹر محمد اقبال۔آئی۔جرمن
اسسٹنٹ پروفیسر (صدر شعبۂ اردو)
بی۔شنکرانند آرٹس اینڈ کامرس کالج
کڈچی۔591311 تعلقہ رائے باغ
ضلع بیلگاوی (کرناٹک)
موبائل : 9945786968

☆تمہید (Abstract) :
مولانا ابوالکلام آزاد کا قد سیاست میں بہت بلند رہا لیکن وہ ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر اردو میں ادب عالیہ کی مثال ہے، وہ ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ انھوں نے مختلف شعری اصنافِ سخن میں اپنا کمال دکھایا۔اس مختصر مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد کی غزل گوئی کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

☆تعارف (Introduction)

مولانا ابوالکلام آزاد کے بزرگوں کا تعلق ہرات سے رہا۔شہنشاہ اکبر کے زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے آباء و اجداد آگرہ آکر بسے تھے۔ یہ ۱۵۱۶ء سے ۱۵۳۰ء کے درمیان کا واقعہ ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کے دادا کا نام مولانا محمد ہادی تھا اور باپ کا نام مولانا خیرالدین تھا۔مولانا ابوالکلام آزاد کی ماں کا نام عالیہ بیگم تھا۔مولانا ابوالکلام آزاد کا پورا نام ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی تھا۔بقول قاضی عبدالغفار :

''۱۸۸۸ء کے ماہ ستمبر کا وہ ایک دن تھا جب مکہ کے باب اسلام کے جوار میں مولانا محمد خیرالدین دہلوی کا بلند اقبال بیٹا پیدا ہوا۔''

(آثار ابوالکلام آزاد۔قاضی عبدالغفار۔ص ۱۷)

مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت کم عمری میں اطمینان بخش دینی وعصری تعلیم حاصل کرلی تھی، وہ چکبست کی طرح دس بارہ برس کی عمر میں ہی شاعر بن گئے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے مکتوب بنام غلام رسول مہر میں اپنی کم عمری میں شاعری سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ہے :

''اس زمانے میں مرزا غالبؔ کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخی رام پوری کلکتہ میں مقیم تھے۔انھیں کسی طرح یقین نہیں ہوتا تھا کہ جو غزلیں میں سناتا ہوں میری ہی کہی ہوئی ہیں۔ایک دن مسجد سے نکل رہا تھا کہ ان سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مجھے پکڑ کر ایک کتب فروش کی دکان پر لے گئے جس کی دکان مسجد سے متصل تھی۔ کہنے لگے کہ ایک شاگرد نے جان عذاب میں ڈال دی ہے۔ میں بیمار ہوں، وہ غزل کے لئے متقاضی ہے۔ چند شعر اسی وقت کہہ دو۔ میں سمجھ گیا، امتحان لینا چاہتے ہیں۔انھوں نے زمین بتلائی، یاد نہ ہو، شاد نہ ہو، میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے چھ شعر کہہ دیئے۔ کہنے لگے اشعار کی تعداد طاق ہونی چاہئے۔میں نے ایک شعر اور کہہ دیا۔

وعدۂ وصل بھی کچھ طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی ان کو کبھی یاد نہ ہو''

(آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ بہ روایت ملیح آبادی۔ص ۶۰)

اس واقعہ سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر تھے بلکہ ایک بہترین استاد شاعر بھی تھے جو فی البدیہہ اشعار بھی کہہ سکتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے امیر مینائی، داغؔ دہلوی اور مولوی ظفر احسن شوقؔ نیموی سے ابتداء میں اپنے کلام پر اصلاح لی۔

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کی غزل گوئی کا سرسری جائزہ :

مولانا ابوالکلام آزاد نے شاعری میں صنفِ غزل کے علاوہ، نعت، قطعہ اور رباعی جیسی دیگر شعری اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی، مگر صنفِ غزل انھیں زیادہ عزیز رہی اور اگر اس صنف میں وہ مزید مشق کرتے تو ان کا نام بحیثیت غزل گو بھی ادب کی دنیا میں مقبول ہوجاتا۔اپنی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے غزلوں کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی لیکن شاعری کا شوق انھیں تاعمر رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر پر بھی شاعری کا گمان ہوتا ہے اور اکثر وہ تقاریر میں اشعار بھی کہہ دیتے تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد پیدائشی شاعر تھے۔ وہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ شعر فہمی پر بھی قدرت رکھتے تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے شاعری کا بھی سہارا لیا۔مولانا ابوالکلام آزاد کی غزلوں میں عشقیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔جیسے ؎

کیوں اسیرِ گیسوئے خم دار قائل ہوگیا
ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہوگیا

کوئی نالاں، کوئی گریاں، کوئی بسمل ہوگیا
اس کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہوگیا

صرف مطلعِ ثانی ہی نہیں بلکہ اس پوری غزل میں عشق مجازی کا رنگ چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ غزل مصرع طرح ''تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہوگیا'' پر ہے

جو جون ۱۸۹۹ء کے ''خدنگِ نظر'' میں شائع ہوئی تھی۔ اس غزل کا مقطع بھی بہت عمدہ ہے۔

یہ بھی قیدی بن گیا آخر کمندِ زلف کا
لے اسیروں میں ترے آزاد شامل ہوگیا

ایک اور غزل کے چند اشعار پیش ہیں۔

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسمِ زار میں
اک جان ہے سو وہ بھی ترے اختیار میں

اسی غزل کا ایک اور شعر جو بڑا دل فریب ہے۔

وہ پیاری پیاری شکل وہ انداز دلفریب
رہتا نہیں ہے دیکھ کے دل اختیار میں

ساٹھ سے زائد اشعار پر مشتمل اس طرحی غزل کے اکثر اشعار رومانی ہیں۔ اسی غزل میں ایک نہایت خوبصورت یہ تلمیحی شعر بھی ہے۔

یوسف نہ تھا عزیز بہ چشمِ برادراں
اچھوں کی ہوگی قدر نہ اس روزگار میں

یہ شعر نہایت عمدہ اور سبق آموز ہے اور بھی کئی عمدہ اشعار اس طویل غزل میں شامل ہیں۔ ایک اور تلمیحی شعر اسی غزل کا ملاحظہ کیجئے۔

ٹھہری نہ خاکِ قیس بھی دم بھر مزار میں
پیدا ہوئے ہیں لاکھ بگولے غبار میں

اسی غزل کا ایک اور شعر پیش ہے جس میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا خوب تشبیہ دی ہے۔

پیدا ہے رنگ حسنِ جوانی سے یار میں
جوبن پہ جس طرح سے ہو گلشن بہار میں

اس غزل میں کئی مطلعے ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اردو شاعری میں ''مرنے کے بعد بھی کھلی آنکھوں'' کے خیال کو کئی شعراء نے اپنے اپنے طریقے سے شعر میں ڈھالا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس خیال کو اس طرح پیش کیا ہے۔

اے موت! تو ہی آ کہ نہ آئیں گے وہ کبھی
آنکھیں ہیں ایک عمر سے وا، انتظار میں

بے بسی اور محتاجی کی ایسی مثال مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ اور کہاں ملے گی؟

وہ پوچھتے ہیں نزع میں کیسا مزاج ہے
اب کیا کہوں؟ زبان نہیں اختیار میں

مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ ایک ایسی طویل غزل ہے جس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو اس ایک غزل پر ہی مکمل آرٹیکل ہوسکتا ہے۔ ایک اور غزل کے دو تین اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

فراقِ یار میں دل یا جگر کو دیکھتے ہیں
جدھر لگی ہے ہمیں چوٹ ادھر دیکھتے ہیں

کھلا ہے منہ جو لحد میں کھلا ہی رہنے دو
جگہ نئی ہے، مسافر ہیں، گھر کو دیکھتے ہیں

وہ خود ہی آگئے آزاد طالبِ دیدار
ہم آہ آہ کے حسنِ اثر کو دیکھتے ہیں

ابوالکلام آزاد کی غزلوں میں روانی اور دلوں میں اترنے والا اثر ہے۔ موصوف کے اشعار میں نہ صرف مختلف صنعتیں ملتی ہیں بلکہ تازگی، پُرکاری اور سادگی بھی ملتی ہے۔

☆ **ماحصل** : مولانا ابوالکلام آزاد ایک پختہ و عمدہ شاعر بھی تھے لیکن ان کی سیاسی حیثیت اور منفرد نثر نگاری کے پیچھے ان کی شاعری خصوصاً غزل گوئی چھپ سی گئی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ آزاد شاعری کے لئے زیادہ وقت نہیں دے پائے ورنہ وہ بحیثیت شاعر غزل گوئی میں بھی نہایت ممتاز نظر آتے۔

☆

کتابیات:

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کی سوانح حیات۔ مصنف : انور دہلوی

☆ مجموعہ ابوالکلام آزاد۔ مصنف: مولانا ابوالکلام آزاد ۔مرتب: وصی اللہ کھوکھر، سید امتیاز علی

☆ مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت ماہر تعلیم۔ مصنف: ڈاکٹر محمد سلمان خان ندوی

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر۔ مصنف: حقانی القاسمی

☆☆☆

غـــزل

ڈاکٹر قمر سرور (احمد نگر)
M.9822279444

اک اک لمحہ زندہ ہے
تیرا غم تابندہ ہے
راگ مرا آزاد نہیں
کوئی مرا سازندہ ہے
اجر کی اس کو چاہ نہیں
عشق کا جو کارندہ ہے
جس سے کبھی ہم مل نہ سکے
دل کا وہی باشندہ ہے
ڈھ تو گیا، لالچ کا محل
قصرِ وفا پائندہ ہے
میرے لہو کی بوندوں سے
میرا دیا تابندہ ہے
میں کیا، غیروں کی دھن پر
دنیا میں رقصندہ ہے
شرم کا قصہ، چار طرف
کون مگر شرمندہ ہے
بزمِ سخن اک آج قمر
اک محفل آئندہ ہے

☆☆☆

ISSN 2320-6519 **AKS-E-ADAB** *(Quarterly)* Aurangabad.

جنوبی ہند میں افسانوی نثر کے ابتدائی نقوش

سمیترا انوگھڑے (اسسٹنٹ پروفیسر)
اردو ڈپارٹمنٹ، یونیورسٹی آف ممبئی
موبائل : 9595104327

☆تمہید *(Abstract)*

ادب میں جس طرح شاعری کو امتیازی مقام حاصل ہے، اسی طرح نثر کو بھی زبان وادب میں اظہار کے لئے خصوصی درجہ حاصل ہے۔ بنیادی طور پر شاعری کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی اور دنیا کے ہر ادب میں نثر سے پہلے نظم کے فروغ کے نقوش ملتے ہیں لیکن نثر کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ خصوصاً افسانوی نثر کو ادب کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ شمالی ہند کے مقابلے جنوبی ہند میں بھی افسانوی نثر کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ اس مقابلے میں جنوبی ہند میں افسانوی نثر کے ابتدائی نقوش پر ہلکی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔

☆تعارف *(Introduction)*

ایسی نثر جس میں قصہ ہو، کہانی بیان کی جائے اور من گھڑت کرداروں اور خیالی قصوں کے ساتھ ساتھ کرداروں کو انسانی زندگی سے وابستہ کرتے ہوئے ان پر خوشی اور غم ہی نہیں، بلکہ بے شمار دنیوی معاملات کے اثرات کو نمایاں کیا جائے تو ایسی نثر افسانوی نثر کہلاتی ہے۔ انگریزی زبان میں افسانوی نثر کو فکشن *Fiction* کہا جاتا ہے۔ فکشن میں سب سے زیادہ اہم مرحلہ بیانیہ یا *Naration* ہے۔ اردو نثر میں داستانیں، ناول، افسانے، ڈرامے اور ناولٹ کو افسانوی نثر یا فکشن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اِن اصناف میں قصہ کہانی ہی نہیں بلکہ کردار اور ان کے عمل کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات کی نمائندگی بھی ممکن ہو جاتی ہے، اس لئے یہ تمام طریقے افسانوی نثر کا حصہ قرار پاتے ہیں۔ قصہ کہانی کو پیش کرنے کا چلن دنیا کی ہر زبان کا قیمتی وصف رہا۔ وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند میں مختلف قصے کہانیوں کا چلن عام ہوا۔ اِن قصوں کو طبع زاد لکھنے کی بجائے ترجمہ کی صورت میں لکھا گیا۔ دکن کی سرزمین میں ریاستِ حیدرآباد اور مرہٹواڑہ کے علاقہ میں مہاراجہ چندولال شاداں کی سرپرستی کی وجہ سے مذہبی اور سائنسی کتابوں کے ترجموں کے بعد اردو میں افسانوی ادب کے ترجمہ کی روایت کا آغاز ہوا۔ دکن کی سرزمین میں بھی افسانوی صنفِ نثر کو فروغ حاصل ہوا، اسے داستاں کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ نثر نگاری میں ایسے قصے بیان کرنا جن میں مافوق الفطرت عناصر اور جن، پری، دیو، راکشش کے علاوہ دلچسپ واقعات کو پیش کیا جائے تو اس قسم کے قصے داستانوں کا حصہ قرار پاتے ہیں۔ شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی نثر میں صنف داستاں نویسی کا آغاز ہوا۔

☆جنوبی ہند میں افسانوی نثر :

شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی داستانوں کا آغاز صدیوں پہلے ہوا۔ دکن میں مثنوی کے ساتھ ساتھ نثری داستانیں بھی اردو زبان میں تخلیق ہونے لگیں۔

☆نثری داستاں :

شہر حیدرآباد کو اہمیت حاصل ہونے سے قبل قطب شاہی دور میں گولکنڈہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، جو قطب

شاہی بادشاہوں کا صدر مقام تھا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کی حکمرانی میں شہرت رکھنے والے اور عبداللہ قطب شاہ جیسے بادشاہ کے دور میں ''ملک الشعراء'' کے خطاب سے نوازے جانے والے ملاوجہی کی 1635ء میں تحریر کردہ مشہور کتاب ''سب رس'' کو اردو کی پہلی داستاں قرار دیا جاتا ہے، جس میں رمزیہ پہلو کے ساتھ ساتھ تمثیل کا انداز نمایاں ہے۔ بلاشبہ 1635ء کے بعد شمالی ہند میں دو مشہور داستانیں لکھی گئیں، جو ''قصہ مہر افروز و دلبر'' کے نام کے علاوہ بطورِ خاص ''نوطرزِ مرصع'' کے نام سے مشہور ہیں، جو عیسیٰ خاں اور عطاء محمد خاں تحسین کی تصانیف ہیں، جس کے بعد کلکتہ میں قائم شدہ فورٹ ولیم کالج کے توسط سے ''باغ و بہار'' کی اشاعت 1801ء میں ہوئی۔ جس سے میر امن دہلوی کو شمالی ہند کے پہلے داستاں نگار کا درجہ حاصل ہوا۔ 1801ء سے لے کر 1824ء تک دکن کی سرزمین میں داستاں نویسی کا رواج عام نہیں تھا۔ شیخ محمد ابراہیم بیجاپوری نے اردو کی سب سے پہلی داستاں ''انوارِ سہیلی'' لکھ کر دکن کے علاقہ میں داستاں نویسی کی بنیاد رکھی۔

☆انوارِ سہیلی :

انوارِ سہیلی کے تعارف کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ یہ بھی عجیب مقبول عام کتاب ہے۔ دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ دکن میں 1240ھ م 1824ء میں یہ کتاب دکھنی زبان میں طبع ہوئی ہے اس کے مترجم جن کو مولف کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ میاں محمد ابراہیم ہیں۔

ان کے ذاتی حالات خود انھوں نے اس طرح بتائے ہیں۔

''جب میں نے اپنا عجز وانکسار بتلایا تب حضرت دلؔ سے خطاب مستطاب ہوا کہ اے میاں محمد ابراہیم بن ملک حسین خاں بن شیخ محمد بیجاپوری جمعدار دکھنی ہزار سواری تو نے کہا کہ اگر کسو نے مجھ سا نفیر زبان اور کثیف دوراں اس جہانِ بے پایاں میں بغور تمام ملاحظہ کیجئے تو بھی اس کا دستِ ارادت دامن مقصود تک نہ پہنچے اور پنجہ مطلب رسا امید کو نہ اینچے۔''

(دیباچہ 'انوار سہیلی' میاں محمد ابراہیم)

''انوار سہیلی'' کا ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجئے :

''چین ملک کے ادرس چورس میں ایک بڑا بادشاہ تھا اس کا نام ہمایوں فال تھا ہور اُس کا ایک بڑا ایکا وزیر تھا۔ جس کا نام خجستہ رائے تھا ہمایوں فال ایک بار خجستہ رائے کو ساتھ لے کر شکار کو گیا وہاں سوا لٹتے دھوپ پڑی تھی۔ ایک پہاڑ کی انی پو جھاڑاں تھے۔ چھاؤں کی خاطر خجستہ رائے کو ساتھ لے کر اس چھاؤں تلے جا بیٹھا اور دیکھا تو کیا کہ ایک جھاڑ کا کھوڑ ہور بڑا ہو گیا ہے۔ اس کے اندر شہد کی مکھیاں پوتی بندنے اندر گھستے اور بہار نکلتے ہیں۔ ہمایوں فال خجستہ رائے سوں پوچھا یہ کیا ہوں گا انے بولیا یہ شہید کی پوتی ہے۔ بادشاہی عملاً فعلاً سگل ان کے ہاں ہے۔ جمشید نے بادشاہی کرنا ان سونچ سیکھیا ہمایوں فال بولیا ارے میاں وزیر دنیا بڑی کھٹ کھٹ کی ہے اس سوں بہتر ہے کہ سب چھوڑ دے کر کونا پکڑھنا۔ خجستہ رائے بولیا تمہارے سوں عالم کا بھلا ہوتا ہے۔ تمنا کونا پکڑ کو کیا نفع۔ عدالت سوں بادشاہی کرے تو دنیا میں ہور دین میں دونو جگہ بھلائی ہو ۔

خاک کو ہور گگن کو تم دیکھو
اِس کو آرام ہے اور اُس کو سفر
مال و دولت سفر سوں ملتی ہے
اور ملتا ہے کہ سفر سیں ہنر
جھاڑ جلتا تو اپنی جگہ سیں
او سے کا جور اس پر ہور ندیتر

بائیکو بھی بولی سو یہ بات سچ ہے جس کا حق اسے ڈالنا اچھا ہے۔ ہور خدا پر بھروسہ رکھنا سوں بھلا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ہمنا دے گا۔''

دکن میں لکھی جانے والی اولین داستانوی کتاب اُس وقت تحریر کی گئی جبکہ 1824ء میں شمالی ہند کے علاقہ میں دہلی کالج کا قیام عمل میں آ چکا تھا اور لکھنؤ میں مشہور داستاں نویس رجب علی بیگ سرور کی مشہور داستان ''فسانۂ عجائب'' کی تدوین کا سلسلہ جاری تھا۔ میاں محمد ابراہیم نے چین کے بادشاہ کے دور کی داستاں اس کتاب میں لکھی اور داستاں کی زبان دکنی ہے، اس کی لفظیات سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ محمد ابراہیم کا تعلق بیجاپور جیسے کرناٹک کے علاقہ سے تھا، لیکن وہ دکنی کے توسط سے جس انداز کی نمائندگی کرتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس داستاں کا طرزِ تحریر اور اظہار کا انداز مرہٹواڑہ کی سرزمین کا ہے۔

☆مرغوب الطبع :

یہ کتاب فارسی قصہ ''کامروپ'' کا ترجمہ ہے۔ جس کو سید حسین علی خاں نے 1248ھ میں مرتب کیا ہے۔ سید حسین علی خاں حیدر آباد کے طبقہ جاگیرداروں میں شامل تھے۔ اپنے لڑکوں کے لئے انھوں نے کئی فارسی قصوں کو اردو میں منتقل کیا وہ فارسی کی اچھی قابلیت رکھتے تھے اور خوش نویس بھی تھے۔ عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے :

''ہزار ہا شکر، لکھو کھا حمد جناب حق تعالیٰ جل شانہ میں کہ بشر کو زینت نطق سے آراستہ کیا۔ واسطے ادا کرنے حمد و ثنا کے۔ لیکن انسان کو کہاں طاقت ہے جو عہدہ بر آ حمد کا ہووے اور اوس کی حمد کے میدان میں قلم کے گھوڑے کو جولان دیوے۔ آغاز داستان کہا بولنے والے عجائب روزگار اور داستان لینے والے نادر زمانے کے ایسی نقل کرتے ہیں کہ بیچ شہر اودھ کے جو شہروں سے ہند کے ہے اور ثانی اوس کے کوئی شہر زمانہ میں نہیں تھا۔ زمانہ گزشتہ میں وہاں کا ایک راجہ تھا۔ راج بنسی اوس کا نام تعریف اوس کے بادشاہت کی اور دولت وحشمت کی ملکوں میں مشہور تھی اور ویسا بادشاہ دوسرا کسی ملک میں نہیں تھا۔''

1832ء میں لکھی ہوئی یہ داستاں فارسی کے قصہ ''کامروپ'' کا دکنی ترجمہ ہے۔ اگر چہ سید حسین علی خاں کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں، لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تعلق دکن کی سرزمین سے تھا۔ اِس داستاں میں انہوں نے حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد ایک ایسے دور کے بادشاہ کی کہانی بیان کی ہے جس کا نام راج بنسی تھا اور وہ ساری دنیا میں بادشاہت کی خصوصیات کی وجہ سے اہمیت کا حامل تھا۔ دکن میں لکھی جانے والی یہ داستاں دکنی زبان کی نمائندگی کرتی ہے، حسین علی خان حیدرآباد کے جاگیردار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی دیگر تصانیف میں مزید اور ایک کتاب کا پتہ چلتا ہے جو بلاشبہ داستانوی ادب کی نمائندہ ہے۔

☆ماحصل :

شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی افسانوی نثر کا آغاز وارتقاء ہوا مگر شمالی ہند کے مقابلے میں جنوبی ہند کو ادبی تاریخ میں دوسرے درجے پر رکھا گیا جبکہ اسے برابری کا حق ملنا چاہئے تھا اور افسوس اس بات کا ہے کہ اب تک بھی جنوبی ہند کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا۔

☆☆☆

☆☆☆☆

گوشۂ شاہ حسین نہری (صنف رباعی کے حوالہ سے)

شخصی کوائف

نام : سید شاہ حسین نہری

قلمی نام : شاہ حسین نہری

تخلص : شاہ

موبائل : 9225303313

ولادت : ۱۲؍فروری ۱۹۴۱ء

والد: (الحاج) سید احمد نہری (ایڈوکیٹ) مرحوم

والدہ : (الحاجّہ) سیدہ فاطمہ بیگم (مرحومہ) بنتِ سید نور المنیب اللہ (مرحوم)

تعلیم : اورنگ آباد دکن میں (۱) پرائمری اسکول، صرافہ، اورنگ آباد دکن (۲) نیو مڈل اسکول (۳) سٹی ہائی اسکول (۴) بی۔اے (اردو، تاریخ، سیاسیات) مراٹھواڑہ یونیورسٹی (۵) ایم۔اے (اردو) ۱۹۶۹ء

بیوی: عارفہ گلبدن بانو بنت (بریگیڈیر) محمد علی احمد (مرحوم)

فرزند: ابو وجیہ، سید فرید احمد نہری تنویر ایم۔اے، ریسرچ اسکالر، لکچرر شعبۂ اردو، ملیہ سینئر کالج، بیڑ

دختران : (۱) اَمَۃُ اللہ، سیدہ نفیس فاطمہ نہری، صادقہ (زوجہ محمد ضیاء اللہ)

(۲) اَمَۃُ السلام، سیدہ آسیہ فاطمہ نہری، رویحہ (زوجہ آفاق الرحمٰن خاں)

(۳) اَمَۃُ الشہید، سیدہ مبہاج فاطمہ نہری، زوجہ (مطلقہ)

(۴) اُمُّ الانوار، سیدہ فَرَّ افاطمہ نہری، فریحہ (زوجہ محمد صفی انوری) ایم۔ایس سی، بی۔ایڈ۔لکچرر شعبۂ ریاضی، ملیہ سینئر کالج، بیڑ

(۵) انعامُ الباری، سیدہ جویریہ فاطمہ نہری، عروب (زوجہ سید وسیم الدین نہری، عمران)

ایم۔ایس سی، بی۔ایڈ۔ مددگار معلّمہ، فاطمہ گرلز اردو ہائی اسکول، اورنگ آباد دکن

ملازمت: (۱) مددگار مدرس، معین العلوم ہائی اسکول، سلک ملز، اورنگ آباد دکن۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء (درمیان میں مولانا آزاد ہائی اسکول بھیجا گیا تھا آٹھ دن)

(۲) لکچرر شعبۂ اردو، بل بھیم آرٹس، سائنس و کامرس کالج، بیڑ ۸؍اگست ۱۹۷۰ء تا ۳۱؍جولائی ۱۹۹۹ء (درمیان میں چند ماہ کے لیے شری شیواجی کالج پربھنی پر تبادلہ کیا گیا تھا)

●ادبی سرگرمیاں

☆مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی کے مالی تعاون سے ادبی تقاریب کا انعقاد۔

☆معتمد انجمن ترقی اردو (ہند) کی رجسٹرڈ شاخ بیڑ۔

☆مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد کے بورڈ آف اسٹڈی کے ممبر (۲۰ سال سے زائد عرصہ تک)

☆ مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی کی نصابی کتب کی تدوینِ جدید سے متعلق اردو، تاریخ اور دینیات (سچادین) کے کاموں میں محمد اشفاق احمد صاحب کے معاون کی حیثیت سے خدمات۔

☆رکن مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ہائر سیکنڈری ایجوکیشن پونہ۔ ۱۹۸۱ء

☆ مہاراشٹر راجیہ پاٹھک پستک نرمتی منڈل و سنشودھن کیندر بال بھارتی پونہ کی اردو کی کتابوں کی تیاری اور تراجم میں مختلف حیثیتوں سے تعاون۔

☆**مشاغل** : شاعری، مضمون نگاری، تاریخ گوئی وغیرہ۔

☆**کتابیں** : (۱) شبِ آہنگ (شعری مجموعہ)، ۱۹۷۹ء،

(مراٹھواڑا یونیورسٹی، اورنگ آباد دکن کے مالی تعاون سے)

(۲) شبِ تاب (شعری مجموعہ)، ۱۹۹۹ء

(۳) رباعیاتِ شاہ، ۲۰۰۳ء

(۴) سامانِ تسکین (حمد و مناجات، نعت و منقبت)، ۲۰۰۳ء

(۵) عروض، منتخب بحریں اور تقطیع۔ ۲۰۰۳ء

(۶) ربیعہ، دیوان رباعیات شاہ۔ ۲۰۰۸ء

(۷) شاہ بانی، دیوان رباعیات شاہ۔ ۲۰۰۹ء

(۸) شبِ آفتاب (شعری مجموعہ) ۲۰۱۱ء

(۹) میرے گلشن کے پھول (بچوں کیلئے نظمیں) ۲۰۱۲

(۱۰) سامانِ تسکین (اشاعت دوم) ۲۰۱۲ء

(۱۱) گلبدن کی یاد میں۔ رباعی کی ہیئت شخصی مرثیہ۔ ۲۰۱۲ء

دیگر ادبی کاوشیں : متعدد رسائل، اخبارات، ریڈیو و ٹی۔وی پر کلام و مضامین کی اشاعت، نشریات ٹیلی کاسٹ

اعزاز : ایم۔اے (اردو) میں امتیازی کامیابی پر (۱۹۶۹ء) مراٹھواڑا یونیورسٹی، اورنگ آباد دکن کی جانب سے چانسلر کا میڈل عطا کیا گیا۔ یہ پہلا گولڈ میڈل ہے جو مراٹھواڑہ یونیورسٹی کی طرف سے اردو کو ملا۔

پتہ : ''کاشانہ'' پلاٹ ۴۷، راحت کالونی، عقب پنچایت سمیتی، شاہ اسٹریٹ، اورنگ آباد۔ ۴۳۱۰۰۱ (مہاراشٹر)

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

شاہ کا سراپا

نورالحسنین (اورنگ آباد) Mob. 9890849736

دراز قامت، گوری رنگت، کھڑا چہرہ، جس پر بڑی ڈاڑھی، دوربین آنکھیں جو مقابل کے ظاہر سے گزر کر باطن تک اُتر جائیں۔ بھاری بھرکم آواز جو مخاطب کے دل و دماغ میں پہنچ جائے۔ کشادہ لب، سیدی جلال سے تمتماتی ناک، جس پر تنقید کی مکھی کو بھی بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ سر پر سفید بالوں کا گھنا سائبان، ذہن کھلا روشن دان، خود پسند طبیعت، گرچہ غرور و تکبر سے خالی لیکن پھر بھی کچھ کچھ عالی۔ جامہ زیب بدن جو ہر مہذب لباس کا عادی۔ اسلام پسند مزاج، بھرے پُرے خاندان کا سرتاج، عاشق صادق شوہر، بچوں کے شفیق باپ، مہمان نواز، شاعر، استاد، پابند صوم وصلوۃ، عبادت جن کی گہری، یہ ہیں شاہ حسین نہری۔ عمر شرافت میں بسر کی۔ درس و تدریس کو ذریعۂ معاش بنایا تو پھر بے دریغ علم بھی لٹایا۔ چنانچہ ضلع بیڑ سے شہر اورنگ آباد تک شاگردوں کی ایک کہکشاں آباد کی۔ عزت و توقیر اور پاکیزگی سے اپنا دامن ایسا بھگویا کہ ''دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔''

اسی روش نے مصلحتوں کے سارے دروازے بند کئے جس کے سبب نفع کم اور نقصان زیادہ اٹھایا۔ زندگی کو اپنی نظر سے دیکھا اور اپنی ہی روش پر اپنی اولاد اور پھر ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت کی۔ یہاں تک کہ جب شاعری سے دل لگایا تو اسے بھی اپنے ہی مزاج پر چلنا سکھایا۔ ناز و انداز کے غمزے اٹھائے۔ محبوب کے ساعد سیمیں کی طرف دیکھا۔ بس خیال کی انگلی تھامی اور اسے کاغذ کا رستہ دکھایا۔ یعنی کھرے لہجے میں کھری بات کہی۔ نہ خواہ مخواہ نغمگی کا سہارا لیا نہ روایتی لفظیات کو منہ لگایا۔ یوں فن کی ظلمات کو شب تاب کیا۔ مشکل پسند مزاج نے غزل کے ساتھ رباعی کے در نایاب کی مسجد کی۔ کسے اندازہ تھا کہ ایک دن اسی فن سے ''گلبدن بانو'' کے لئے ''تاج محل'' بنائیں گے اور شعر فن میں اپنی مثال آپ ٹھہریں گے کہ ؎

لطف مجھ میں بھی ہیں ہزاروں میرؔ
دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو

☆☆☆

منظوم خراجِ تحسین

توصیفی رباعیاں

پروفیسر علقمہ شبلی

تصویر تصور کو بناتے ہیں حسین
سوئے ہوئے ذہنوں کو جگاتے ہیں حسین
گنجینۂ معنی ہے رباعی ان سے
نایاب گہر جیسے لٹاتے ہیں حسین

☆

غزلیں ہیں کہ پھولوں کا تبسم رقصاں
نظمیں ہیں کہ دریا کا طلاطم لرزاں
کوزہ میں سمندر ہے رباعی کی مثال
ہر صنف میں ہے شاہ کی تصویر جواں

☆

اللہ کے بندے ہیں سپاہی بھی ہیں
سرکار دوعالم کے فدائی بھی ہیں
باطل کے لئے تیغ برہنہ کہئے
ہیں شاہ حسین اور حسینی بھی ہیں

☆

ایجاز کا انداز بناتے ہیں وہ
الہام کی آواز سناتے ہیں وہ
ہیں محرم اسرار رباعی نہری
دو شعر میں اعجاز دکھاتے ہیں وہ

رباعی

مرزا احسن ناصر (لکھنؤ)

موصول ہوئی آپ کی بے مثل کتاب
کیا خوب کھلے اس میں رباعی کے گلاب
گلزار ہے اس باغ کا کونا کونا
مشکل سے ملے گا کہیں اب اس کا جواب

☆

شاہِ رباعی

رباعیاتِ طہور منصوری نگاہ

ویسے بھی رباعی کی نرالی ہے شان
کہنا بھی رباعی کا نہیں ہے آسان
اردو میں دیوانِ رباعی لکھ کر
رکھتے ہیں مگر شاہؔ الگ اک پہچان

ہر بات سلیقے سے ہوئی ہے منظوم
ہوتی ہے شاہؔ کی صلابت معلوم
دیوان بہ عنوانِ ''ربیعہ'' اوّل
دویم دیوان ''شاہ بانی'' موسوم

جذبے کا، تخیل کا، تفکر کا سرور
کرتی ہے شاہؔ کی رباعی مسرور
اوزان ہوں، اسلوب ہو یا موضوعات
ہر بات میں واللہ جھلکتا ہے شعور

ہر لفظ ہے اک نقشِ دوامی کا ثبوت
نہری صاحب کی نیک نامی کا ثبوت
واللہ کتاب ''شاہ بانی'' تو نگاہ
ہے شاہؔ کی قادرالکلامی کا ثبوت

ہیں قطبؔ ولیؔ سراجؔ کے وارث شاہؔ
رکھتے ہیں مگر سب سے جدا اپنی راہ
کیا غزلیں، کیا نظمیں، کیا حمد و نعت
ہیں صنفِ رباعی سے بھی کامل آگاہ

☆☆☆

ISSN 2320-6519

مضامین

شاہِ رباعی۔شاہ حسین نہری

اسلم مرزا (اورنگ آباد)
موبائل: 9960053707

فارسی اوراردو کے اصنافِ سخن میں رباعی کی اہمیت مسلم ہے۔عام طور پر یہ مشہور ہے کہ رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے لیکن ''ربیعہ'' میں شامل رباعیات کا سرسری مطالبہ بھی کرلیں تو آپ فوراًاس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ شاہ حسین نہری نے اپنی فطری صلاحیت ، زبان و بیان پر بے پناہ قدرت ،فکری صلابت اورفنِ رباعی گوئی کے اسرارورموز سے گہری آگہی وادراک کی وجہ سے رباعی گوئی کونہایت سہل بنادیا ہے۔

جی ہاں ! ''ربیعہ'' جناب شاہ حسین نہری کا تازہ دیوانِ رباعیات ہے،جس میں کل ایک سوچھیتر رباعیاں شامل ہیں۔یہ تمام رباعیاں تخیلات اورموضوعات کے تنوع ،ان کی لفظیات ،فنی پختگی ،معنی آفرینی ،ترنم ریزی ، شاعرانہ ہنرمندی اورقادرالکلامی کی خوش باش سوغات ہے ، جو قاری کوفکری اور معنوی جہات سے بھی روشناس کراتی ہیں۔

زیرمطالعہ دیوانِ رباعیات''ربیعہ'' شاہ حسین نہری کی منفرد جدت پسندی اور اختراعی میلانِ طبع کے کئی پہلوؤں کوروشن کرتی ہے۔عموماً شعراء کے دیوان اور کلیات میں ردیف ''الف'' سے آغاز اور ردیف ''یے'' پر اختتام ہوتا ہے لیکن شاہ صاحب نے یہ التزام کیا ہے کہ ان کے دیوانِ رباعیات کا آغاز ''یے'' سے ہوااوراختتام''الف'' پر ہوا۔

''ربیعہ'' میں شامل رباعیوں کے حسن و جمال اورادبی چاشنی سے لطف اندوز ہونے سے پہلے میں ان کے ایک اور مثبت فکری اور وجدانی رویے سے آپ کو متعارف کرواتا چلوں ،وہ ہے صفحہ سات پر''ربیعہ'' کا انتساب ، جوتوجہ طلب ہے۔شاہ حسین نہری نے اپنا یہ دیوانِ رباعیات اپنے بیٹے ، بہو ،بیٹیوں ،دامادوں اور ان سب کی آنے والی نسلوں کے نام اس امید پر کیا ہے کہ وہ سب یہ یادرکھیں کہ ہم انسانیت کے خیرخواہ اور خیرامت کے افراد ہیں اور ہمارا نصب العین اللہ کی رضااورخوشنودی کاحصول ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ''انتساب'' شاہ حسین کے اندرون میں اترنے کی سیڑھی ہے ،صالح فکر سے آبدار ، پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر چاک کرنے کا عزم۔

''ربیعہ'' میں شامل رباعیات کے محاسن ، جمالیات اور شعری تفکرات کو سمجھنے کے لیے یہ انتساب Preamble کی طرح ہے۔یہ بہت بڑی اورگہری بات ہے۔ یہ انتساب شاہ حسین نہری کی روحانی بالیدگی ،سوچ اورفکر کی متانت ، دنیا اورآخرت سے متعلق گہری سنجیدگی کا آئینہ اور پرکشش سبق آموز منظرنامہ ہے۔میں نے اپنی زندگی میں بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا اوران کتابوں کے انتساب پڑھے ،لیکن اس قدرمنفرد ،خیال انگیز اور پرتاثیر انتساب پہلی مرتبہ میری نظروں کے سامنے سے گذرا۔

''ربیعہ'' کا مطالعہ کیجیے، دیکھئے ،کیسا خوش منظر کشادہ کینواس ہے۔ تمام موضوعات پرسوائے خمریات کے ، آپ کو بہترین شاعری کی کہکشاں نظر آئے گی۔ان

میں حمدیہ ،نعتیہ ،ناصحانہ رباعیوں کے ساتھ ساتھ جہاں رومانی اور شاعرانہ جمالیات سے بھرپور رباعیاں ملتی ہیں ، وہیں چند رباعیاں اپنے طنز کے تیرونشتر سے شدید تاثر چھوڑتی ہیں۔ یہ تمام رباعیاں رباعی گوئی کے تمام فنی تقاضوں سے انصاف کرتی ہیں۔ان کے اوزان نہایت رواں دواں اور مترنم ہیں اور خیال کو شعری پیرائے میں بیان کرنے میں پوری طرح کامیاب بھی ہیں۔ایک حمدیہ رباعی دیکھیے ۔

دنیا کے یہ گلزار ہیں ، اللہ! ترے
عقبٰی کے بھی انوار ہیں ، اللہ! ترے
دنیا سے نصیب اپنا ملے ہم کو ، مگر
ہم شائقِ دیدار ہیں ، اللہ! ترے

شاہ حسین نہری کومناظرِ قدرت سے بھی والہانہ شیفتگی اور انسیت ہے۔ان رباعیوں میں بارش کے بھیگے موسم ،دریا کے پاٹ، کھلی کھلی فضائیں ، پیڑوں کی قبائیں ،خوشبوئیں ، زمین کی سرسبزی وشادابی ،سمندر کا تموج ،جھرنوں کی سریلی آوازیں اور جنگل میں پتوں کی سرگوشیاں قاری کوسحرانگیز کرتی ہیں۔یہ رباعی نمونتاً پیش ہے ۔

بھیگے ہوئے جلنے کے مزے کی خواہش
اچھی مجھے لگتی تھی کبھی یہ بارش
اب ہنستی ہیں بارش کی یہ بوندیں مجھ پہ
کہتی ہیں کہ آ جا نہ ، بجھی کیا آتش

شاہ حسین نہری کا ایک مخصوص ہنر وہ ہے جہاں لفظوں کو ان کی تمام تر معنویت کے ساتھ وہ نہایت چابکدستی سے متحرک اور تجسس آمیز انداز میں اس طرح بُنتے ہیں کہ قاری زبان و بیان اور اس کے ساتھ خیال کے نہایت فرحت بخش تجربات سے دوچار ہوتا ہے، ایک خوش رنگ رباعی دیکھیے ۔

اڑنے کو ہے مرے درو دیوار کا رنگ
ہے کتنا دگرگوں مرے گھر بار کا رنگ
اڑتا ہے مرا رنگ جو نکلوں گھر سے
ہر روز بدل جاتا ہے بازار کا رنگ

یا پھر یہ رباعی دیکھیے اور لطف اٹھایے ۔

ہو یاد جو اس کی تو رہیں ہم کم خواب
ایسے میں کہاں بستر ریشم کمخواب
نیند آئے کہاں سے کہ اُجالا اس کا
رکھتا ہے ہمیں شاؔہ جی ہر دم کم خواب

''ربیعہ'' میں شاہ صاحب نے ایسی رباعیاں بھی شامل کی ہیں جن میں عہد کی شکست وریخت، اقدار کی پامالی، سیاسی اور اخلاقی ادبار و تنزل ، انسانی رشتوں کی بازیافت کی خواہش، ایک صالح معاشرے کی تشکیل، اردو زبان کے بارے میں تشویش، اخوت، بھائی چارہ وغیرہ جیسے متعدد متنوع موضوعات کو اپنے منفرد انداز اور مخصوص شعری لوازمات کے ساتھ نہایت کامیابی سے پیش کیا ہے۔ ان میں آپ کو کہیں بھی ڈرامائی یا دکھاوے کی المناکی اور یاسیت نظر نہیں آئے گی۔ کہیں کوئی سوقیانہ پن نہیں ملے گا۔ موجودہ حالات میں عام مسلمان جس طرح اپنے مذہب کے تئیں غیر سنجیدہ رجحان اور رویہ رکھتے ہیں، اس پر گہری متانت، سوجھ بوجھ، فہم وفراست اور سنجیدگی کے ساتھ شاہ صاحب کا طنزیہ اظہار یوں ہے۔

مسجد میں چلا آیا ہے جانے کے لیے
جاتا ہے یہاں سے تو پھر آنے کے لیے
آتا بھی ہے ، جاتا بھی ہے وہ شاہ ! مگر
عادت ہے یہ، عادت کے نبھانے کے لیے

''ربیعہ'' میں شامل تمام رباعیاں واقعی پڑھنے اوران سے انبساط حاصل کرنے کی شے ہے۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ شاہ حسین نہری نے نہایت سادگی، شگفتگی ، خلوصِ نیت اور جامعیت کے ساتھ اپنے جذبات اور احساسات کو بہت دلکش شعری پیرائے اور رباعی گوئی کی تمام فنی باریکیوں کے ساتھ قاری تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ اردو شاعری میں ''ربیعہ'' ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ شاہ حسین نہری اردو کے مستند رباعی گو شعرا کی صف میں اپنا صحیح مقام بنانے میں کامیاب ہیں۔ اللہ رب العزت کے حضور میں شاہ صاحب نے جو دعا مانگی ہے اس پر میں آمین کہتا ہوں ۔

ہے شاہ قلم میرا جو یہ شاہ قلم
چلتا ہے ادب میں بہ ادب راہ قلم
کوئی مجھے مانے کہ نہ مانے میں ہوں
جیتا رہے میرا ، مرے اللہ! قلم

☆☆☆

زبان واسلوب کا سونا رنگ ''گلبدن کی یاد میں''

وصیل خان

خطۂ دکن اپنی علمی زرخیزی بیدار مغزی اور سخن وری کے لئے ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اردو کی فضا یہاں بھی اگر چہ پہلے جیسی نہیں رہ گئی ہے لیکن دوسرے علاقوں خاص طور پر ان خطوں کی ادبی صورتحال کے پیش نظر جہاں اردو زبان پلی بڑھی، خطۂ دکن ابھی بہت نمایاں اور قابل رشک بنا ہوا ہے۔ وؔلی دکنی اور سراؔج اورنگ آبادی کی یہ سرزمین آج بھی نامور ادباء وشعراء کی تخلیق میں بخل سے کام نہیں لے رہی ہے۔ شاہ حسین نہری کا تعلق بھی اسی شہر اورنگ آباد سے ہے جہاں آج بھی فن اور فنکار دونوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر کتاب ''گلبدن کی یاد میں'' نہری صاحب کی ان رباعیات پر مشتمل مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنی شریک سفر کی مفارقت میں نہایت دل سوزی کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر بکھیرے ہیں۔ نہری صاحب عہد رفتہ کی ایک خوبصورت نشانی ہیں جن کے کلام میں سوز و گداز ندرت فکر کے ساتھ ایک خاص قسم کی سحر انگیزی پائی جاتی ہے ساتھ ہی زبان واسلوب کا سلونا رنگ ہر جگہ بکھرا نظر آتا ہے۔ رباعیات میں نہری صاحب نے مرحومہ سے اپنے گہرے تعلقات کا ذکر نہایت جذباتی انداز میں کیا ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی کہ آخر میں چھ چھ رباعیات کے حصے پیش کیے ہیں جس سے نہری صاحب کی شعری وفنی گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بطور تمثیل ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں ۔

جینے کا تماشا میں دکھاؤں کب تک
کب مجھ کو ملے یہاں کسی کی پُر چک
آنکھوں میں دھندسی ہے گزرے کل کی
دل پر اس کی یاد کی ہر دم دستک

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

''ربیعہ'' سے آنکھیں چار ہونے پر

ڈاکٹر سحرؔ سعیدی

اردو شاعری کی تمام اصناف میں غزل کو اولیت اور عالمی مقبولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اردو میں رباعی کی روایت زیادہ قوی اور مستحکم نہیں ،تاہم غزل کے بعد رباعی کو دلچسپی سے لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ رباعی ،اوزان و بحور محدود ہونے کے باوجود،اپنے اندر خارجی و داخلی موضوعات کو سمو لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنی بات کو مؤثر انداز میں محض چار مصرعوں میں اس طرح پیش کرنا کہ سننے والے یا پڑھنے والے کے دل پر اثر کرے ، ایک ہنر ہے۔ مشہور ہے کہ رباعی چاول کے دانے پر قُل ھُو اللہ لکھنے کا ہنر ہے۔

رباعی گوئی ایک معتبر اور وقیع صنف سخن ہے،اس کے لیے پختگی عمر کے ساتھ کافی مشق سخن کی ضرورت ہوتی ہے۔محض چار مصرعوں میں اپنے خیال کو سمونا مکمل اور معزز رباعی نہیں کہلاتا۔ لہجے کی نیرنگی ،شاعرانہ حسن ، فکر کی گہرائی اور تازگی کے علاوہ الفاظ کی دروبست اور اسلوب کی جدّت بھی ناگزیر ہے ، بلکہ موضوعات کا تنوع اور علامات و استعارات کی دلآویزی بھی لازمی ہے۔ اہلِ فن نے غزل کے شعر کی طرح رباعی کو گاگر میں ساگر کے مترادف قرار دیا ہے۔ شاید اسی لیے شعری اصناف سخن میں رباعی کو مشکل ترین صنف مانا جاتا ہے۔ جوشؔ نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

''یہ وہ کم بخت صنف سخن ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کو سپر انداختہ کر دیتی ہے اور یہ کافر صنف بڑے بڑوں کے قابو میں اس وقت تک نہیں آتی جب تک کہ زمانے کی سرد و گرم ہوائیں شاعر کی حساس فکر زندگی کے تقریباً چالیس پچاس ورق نہیں الٹ دیتی۔''

مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ شاہ حسین نہری رباعی کے فن میں اپنی ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کی رباعیاں ان کی شخصیت ہی کی طرح دلآویز ہیں۔خیال کو بامِ عروج پر پہنچانے میں شاہ حسین نہری کمال کی حد تک دسترس رکھتے ہیں۔ قادرالکلامی اور شاعرانہ ہنرمندی نے شاہ صاحب کو رباعی گوئی میں ایک منفرد پہچان اور اچھوتا لہجہ دیا ہے۔رباعی کے رموز ونکات کی کماحقہ واقفیت،زبان و بیان اور فنِ عروض پر قدرت نے ان سے مترنم بحروں میں رباعیات کہلوائیں۔ اِن رباعیات میں انھوں نے فنی باریکیوں کو نہ صرف خوبصورتی سے برتا ، بلکہ وہ تخلیقی شگفتگی پیدا کی جو طویل عمر کی ریاضت کے بعد کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ان کی رباعی اپنے لب و لہجے اور لفظیات کی بنا پر اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ان کی بیشتر رباعیاں سہل ممتنع میں ہیں۔شاہؔ صاحب کی بعض رباعیوں کے اشعار اور مصرعے ضرب المثل بننے کی قوت رکھتے ہیں مثلاً۔

(۱) عورت کے لیے اصل میں ہے یہ اچھا
اسلام کے پردے ہی میں آزاد رہے

(۲) ہوشان مگریوں نہ دکھانے بھر کی

(۳) کوئی مجھے مانے کہ نہ مانے میں ہوں

(۴) اب جینے میں جینے کے سوا کچھ بھی نہیں

(۵) ملتا ہے نصیبوں سے حبیبِ صادق

(۶) اللہ تو میرا ہے تو دنیا کیا چیز

بندش کی چستی اور سلیقۂ ادا پر وہ زیادہ زور دیتے ہیں۔ اپنے بیان کی تصدیق میں شاہ صاحب کی چند رباعیات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

گزرے وہ زمانے پلٹ آنے سے رہے
وہ رنگ تو اب رنگ جمانے سے رہے
اعصاب پہ قابو نہیں رہتا اکثر
کب آدمی آخر کو ٹھکانے سے رہے

☆

پہچان نہ دولت ، نہ حکومت ، نہ محل
پہچان نہ عہدہ ہے ، نہ تمغہ لیبل
پہچان تو ہے خُلقِ حَسن حُسنِ عمل
قابو ہے جسے خود پہ وہ انساں افضل

☆

برمائے نہ جھرنوں کی سریلی آواز
گرمائے سمندر کی نہ شوری آواز
مجھ کو تو کسی اور کی آواز رجھائے
آواز نہ دے اور کسی کی آواز

☆

وہ کوثر و نسیم سے سیراب حواس
وہ طائرِ فردوس کے نغموں کی مٹھاس
اللہ سے ، محبوبؐ سے قربت کی خوشی
جینے کے تسلسل کا نرالا احساس

سید شاہ حسین شہید نہری میرے بچپن کے ساتھی ، ہم جماعت اور ہم مذاق و ہم مزاج ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں سٹی ہائی اسکول ، بھڑکل ، اورنگ آباد دکن سے ہم نے میٹرک کا امتحان کامیاب کیا۔ شاہ صاحب بچپن سے ذہین الطبع ، خوش گفتار ، خوش مزاج اور خوش خط رہے ہیں۔

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

ان کا ادبی ذوق بھی صاف ستھرا اور بلند رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری پختگی اور فنی مہارت سے مالا مال ان کے اشعار دعوتِ غور وفکر دیتے ہیں۔ عجز وانکساران کی شاعری اور شخصیت کا جُزوِ غالب ہے۔ مذہبی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعر کی تخلیق ان کا وصفِ خاص ہے۔ اخلاقی مضامین کو بھی وہ بے تکلفی سے باندھنے پر قادر ہیں۔ پامال مضامین سے عاری ان کے کلام کی نفاست، روانی، بے ساختگی اور سادگی میں پُرکاری قابلِ رشک ہے۔ ان کے اشعار میں شراب وکباب کا ذکر تو کیا استعارہ تک نہیں ملتا۔ وہ اپنی بات اپنے ڈھنگ سے کہنے کے عادی ہیں۔

شاعری نہ شاعر کی آپ بیتی ہوتی ہے اور نہ اس پر گزرے ہوئے واقعات کی کھتونی، بلکہ اس کی شخصیت کا اظہار ہوتی ہے۔ جیسی شخصیت ہوگی ویسا ہی اس کا اظہار ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اچھے شاعر کا اچھا انسان ہونا ضروری ہے۔ شاہ صاحب پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔ شاہ صاحب دین پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں مگر زاہدِ متقشف نہیں ہیں۔ ان کی شاعری بھی ان کی شخصیت کا اظہار ہے۔

اللہ تجھی سے آشنائی میری
فطرت ہی پہ فطرت یہ بنائی میری
میں عبد تو معبود میں تیرا تو مِرا
ہے تیری خدائی یہ خدائی میری

شاہ صاحب کی غزلوں اور نظموں کے دو مجموعے ''شب آہنگ'' اور ''شب تاب'' شائع ہوکر باذوق قارئین سے دادوتحسین حاصل کرچکے ہیں۔ ان کی غزلیہ شاعری پر مستند شعراء وادبا نے دل کھول کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ شاہ صاحب کی غزلوں میں جو بے ساختگی اور گداز پایا جاتا ہے وہ ان کی رباعیوں میں بھی درجۂ اتم موجود ہے، بلکہ ان کے تخلیقی جوہر غزل سے زیادہ رباعی میں کھل کر نمایاں ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب کا اپنا ایک مخصوص لہجہ ہے، جو انھیں معاصر رباعی گویوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شاعر کا لہجہ اور اسلوب ہی اس کی شناخت ہوتی ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض شعراء کہنہ مشقی کے باوجود اپنا کوئی لہجہ نہیں بنا پائے۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ ''ربیعہ'' اورنگ آباد دکن سے طبع اور شائع ہونے والا اولین دیوانِ رباعیات ہے اور رباعی گوئی کے فن میں ایک بیش بہا اضافہ بھی۔ میں دل کی گہرائیوں سے شاہ صاحب کو اس پُر بہار دیوان کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ ان کو رباعی گو کی حیثیت سے بھی شہرتِ دوام حاصل ہو جس کے بجا طور پر وہ مستحق ہیں۔ یقین ہے شاہ حسین نہری کی رباعیات کے اس وقیع نادر دیوان کا اردو دنیا میں خاطر خواہ خیر مقدم کیا جائے گا۔

☆☆☆

غزل

جاوید انصاری (پربھنی)
موبائل : 7840996359

زندگی میں کوئی مزہ نہ رہا
میرا دلبر ہی جب مرا نہ رہا
دوستوں کی جو دوستی دیکھی
دشمنوں سے کوئی گلہ نہ رہا
رو دیا جب کوئی گلے مل کر
پھر جدائی کا بھی حوصلہ نہ رہا
اور روداد غم سنوں اس کی
دل میں جاوید حوصلہ نہ رہا

رباعیاتِ شاہ حسین نہری

آنکھوں میں جمی ہے ویرانی کی گرد
جذبے سارے برف کے جیسے ہیں سرد
امیدیں اک اک کر کے ڈوبیں سب
چہرہ بھی خاموش زباں ہے یہ زرد

☆

احباب یہ کہتے ہیں کہ آباد رہوں
جب تک ہے زندگی جیوں شاد رہوں
کہتی ہے مگر مری حیات باقی
یوں دستِ دعا شاغل فریاد رہوں

☆

ہے ہجر گلبدن مرے حق میں سخت
اللہ رضا تری ہمارا ہے بخت
ہے عرض، ترے ہی فضل سے آخر کو
جنت میں ملیں، ایک رہے سازورخت

☆

اللہ! رہوں ہر دم راضی بہ رضا
ہے تری عطا خاص یہ غم ہے جو ملا
وعدے پہ ترے خوش ہوں میرے اللہ!
ملنا ہے وہاں جہاں رہیں ساتھ سدا

☆

لفظوں کے دروبست کی میزان پسند
نکتہ دار معانی کی نئی شان پسند
ہے شعر کی معراج اگر ان کے ساتھ
شاعر کو رہے رفعتِ ایمان پسند

☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad. ISSN 2320-6519

مملکت رباعی کے بے تاج شہنشاہ : شاہ حسین نہری

رئیس الدین رئیس (علی گڈھ)

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی طرح اورنگ آباد خجستہ بنیاد بھی تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی سطح پر، بطور اردو بنیاد، زبردست اہمیت کا حامل شہر مانا گیا ہے۔ سترھویں صدی کے آخری دو دہوں میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی دکن پر چڑھائی اور فتحیابی وظفریابی کے نتیجے میں مملکت عادل شاہی بیجاپور اور مملکت قطب شاہی گولکنڈہ میں در آئے ادبی جمود وسقوط کے بعد جہاں جہاں ادب کی بساطیں بچھائی گئیں، اُن میں ارکاٹ اور ویلور کے ساتھ اورنگ آباد خجستہ بنیاد کا نام بھی شامل ہے، جو اپنے آپ میں امتیاز و افتخار کا حامل ہے۔ وَلی اور سراجؔ جیسے ثقہ و نابغہ اسی مرکز ادب کے متوطن تھے۔ علاوہ ازیں بقول ماہر دکنیات اور محقق پروفیسر محمد علی اثرؔ حیدرآباد کی پہلی خاتون صاحب دیوان شاعرہ چنداںبائی مہ لقا نہیں تھی بلکہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ اور پہلی رباعی گو لطف النساء امتیازؔ تھی، جس کا کلام فصاحت و بلاغت میں عصر حاضر کے کلام کی طرح رفیع و وقیع ہے۔

شاہ حسین نہری کا خمیر بھی اسی شہر علم وادب کی خاک سے اٹھا ہے۔ آپ ۲۰۰۰ء تک مہاراشٹر کے ایک کالج میں مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی تخلیقی سطح پر اپنے خامۂ جادورقم کو بھی سرگرم وفعال بنائے رکھا۔

ایران نژاد رباعی، جو دوبیتی اور ترانہ بھی کہلاتی تھی، ایک ایسی چہار مصرعی نظم ہے جس کا وزن اور بحر مخصوص ہے۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں البتہ تیسرا مصرع اکثر قافیے کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کے بارہ اوزان اخرم اور بارہ اوزان اخرب کے ذیل میں آتے ہیں۔ رباعی گو حسب مرضی رباعیاں ایک وزن سے لے کر چوبیس اوزان تک میں منظوم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اس کا ایک وزن ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' بھی ہے اور ایک وزن مفعول مفاعیل مفاعیلن فع بھی ہے۔ بہرکیف یہ ایک مشکل ترین صنف سخن ہے، جس میں طبع آزمائی کرتے ہوئے اچھے اچھوں کے دانت تلے پسینہ آجاتا ہے۔ یوں تو جب سے غزلیں کہی جارہی ہیں رباعیاں بھی معرض وجود میں آتی رہی ہیں اور آج بھی ناوکؔ حمزہ پوری، فریدؔ پربتی، کوثرؔ صدیقی، ڈاکٹر طاہرؔ رزاقی، طہور منظوری نگاہؔ، مامون ایمنؔ، ڈاکٹر اسلم حنیف، ابراہیم اشکؔ، رئیس الدین رئیسؔ اور رفیق شاہینؔ جیسے بہت سے شعراء بڑی دلجمعی اور ذوق وشوق سے رباعیاں موزوں کر رہے ہیں لیکن ان سب پر شاہ حسین نہری کو اس لیے تفوق حاصل ہے کہ صرف انھوں نے ہی ادب کو رباعیوں پر مبنی دو دیوان (۱) ربیعہ ۲۰۰۸ء اور (۲) شاہ بانی ۲۰۰۹ء عطا کیے ہیں۔ شاہ بانی میں دوسواڑتیس (۲۳۸) رباعیاں شامل کی گئی ہیں، جو بروایتِ دیوان ردیف وار مرتبہ ہیں، یعنی الف سے ی تک کے حروف تہجی رباعی کے آخری حرف کی شکل میں ان کی رباعیوں میں بالترتیب موجود ہیں۔ کتاب کا سرنامہ یا عنوان ''شاہ بانی'' بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ بانی یا وانی ہندی بھاشا کا لفظ ہے جس کے معنی صدا، ندا، خوش بیانی یا خوش آہنگی لیے جاتے ہیں، لہٰذا اس عنوان سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ رباعیاں شاہ حسین نہری کے مافی الضمیر کا والہانہ اظہار ہیں۔ ان کی زبان شستہ وشائستہ، سادہ و

شگفتہ، لب و لہجہ سبک و شیریں اور اسلوب انفرادیت لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے داخلی وخارجی اور قلبی وعصری واردات ومحرکات کو اپنے تجربات و مشاہدات میں ڈھال کر رباعی کا لباس فاخرہ عطا کیا ہے۔ ہمہ جہت و ہمہ رنگ اور مختلف النوع موضوعات و مضامین سے معمور ان کی رباعیوں میں رنگارنگی اور بوقلمونی کی بہار ان کے گلشن شعریات میں اٹکھیلیاں کرتی، لہلہاتی اور مسکراتی نظر آتی ہے۔ حمد، نعت، قرآن، احادیث، پند و نصائح، تہذیب و اخلاق، سماجیات، نفسیات اور عصری حسیات کو وہ اپنی رباعیوں میں وسیلۂ اظہار بناتے ہیں۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

توحید کے اثبات کی بس کرنا بات
اللہ یگانہ ہے خدا یکتا ذات
کوئی بھی نہیں اُس کا شریک اور سہیم
روشن ہیں لیکن ہر شئے میں آیات

●

قرآن، صحیفوں کا، قدیمی، ناسخ
قرآن کتابوں کا، پرانی ناسخ
اب ساری شریعتیں ہوئی ہیں منسوخ
ہے شرع محمدی سبھی کی ناسخ

●

کہتی ہے رباعی کہ تری ہوں پیاری
سچ ہے یہ نہیں شاہ تری لفاظی
یہ پیار ہمیشہ رہے باقی تیرا
کہتی ہے قلم سے مرے ہر بار یہی

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

رباعیاتِ شاہ حسین نہری

علیم صبا نویدی (چنئی)
موبائل : 9176137462

شاہ حسین نہری کی غزلوں اور رباعیوں میں قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنے والی اولین بات ان کی برتی ہوئی موزوں لفظیات اور ان کا چست استعمال ہے۔ رباعیات میں شاہ نہری نے اس صنف کی ہر مانگ کو پورا کیا۔ ان کے خیالات میں پاکیزگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ ان کی بیش تر رباعیات حمد و ثنائے ذات واجب اور نعت رسولؐ پر مبنی ہیں۔ شاہ نے لفظوں کے موزوں در و بست کو پسند کرنے والی بات برملا اپنی رباعی میں بیان کردی ہے ؎

لفظوں کے در و بست کی میزان پسند
تہہ دار معانی کی نئی شان پسند
ہے شعر کی معراج، اگر ان کے ساتھ
شاعر کو رہے رفعت ایمان پسند

شاہ شعر کی معراج، رفعت ایمان کو قرار دیتے ہیں۔ موصوف نے اپنی بیدار مغزی کو بھی اپنی شاعری کی عظمت کا سبب قرار دیا ہے۔ اس کے باعث ان کے اظہار میں شیرینی و لطافت پائی جاتی ہے وہ قاری کو تو متاثر کرتے ہیں، خود بھی اپنی شاعری کا آپ حظ اٹھاتے ہیں ؎

ہے شاہ ترا خوب یہ شعری جھرنا
بیدار دماغی کا ساوی سوتا
ہے شاعری تیری کہ مقالِ شیریں
تسکین و مسرت کا زلالی چشمہ

شاہ حسین نہری نے برطانیہ اور امریکہ دونوں کو امن عالم کے لیے خطرہ قرار دیا ہے۔ یہ ان کا ہی نہیں بلکہ سارے امن پسند طبقوں کا خیال ہے ؎

امریکی و انگریز سے امن اور چین
خطرے میں ہے دنیا کا کہتا ہے حسین
یاجوج و ماجوج ہیں دونوں یارب
فی الفور اک پیدا کردے ذالقرنین

شاہ حسین نہری رہ رہ کر خود کو اپنے خالق کی طرف متوجہ کردیتے ہیں تاکہ کوئی لمحہ فراموش ان کو آخری وقت میں مایوس نہ کردے ؎

بند آنکھیں مری ہونے لگیں گی تب آ
چپ ہونے لگیں گے جب میرے لب آ
تو میرے لیے سامان تسکین ہے
ہر دم دل میں، لب پر، نام رب آ

ان کے خمیر کا نور فروزاں رہ رہ کر ابھر آتا ہے اور انھیں ان کی اصلیت بتاتا رہتا ہے ؎

ہو نور رواں آبِ طبیعت میری
خوشبوئے جناں طاب طبیعت میری
سجدوں سے فروزاں ہو، مہکتی بھی رہے
اللہ یہ محرابِ طبیعت میری

یہ محض لفظیات کا کھیل نہیں ہے بلکہ حقیقت بیانی کے وقت ان کے اندر کا سچا شاعر اپنی پوری توانائی کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ کئی رباعیات میں یہ برجستگی ہمیں ملے گی۔ خیال میں جتنی عظمت ہوتی ہے اظہار بھی اتنا ہی بلند ہو جاتا ہے۔ شاہ کی رباعیوں میں خیال کی پاکیزگی کوثر و تسنیم کی طرح رواں ملتی ہے ؎

ہے شاہ قلم میرا جو یہ شاہ قلم
چلتا ہے ادب میں بہ ادب راہ قلم
کوئی مجھے مانے کہ نہ مانے میں ہوں
جیتا رہے میرا، مرے اللہ! قلم

اعانتِ خداوندی ہی پر آپ کو یقین اور ایمان ہے۔ وہ رات کے سناٹے میں عبادت خداوندی کے لیے خود کو آمادہ کرتے ہیں ؎

امید کا دامن رہے ہاتھوں میں سدا
ہو اس کی خوشبو تری باتوں میں سدا
جو چاہے ملے گا تجھے رب سے بندے
کر اس طلب سے اٹھ کر راتوں میں سدا

مایوسی ان کے ہاں مفقود ہے۔ آس اور امید ہی انسان کو باہمت بناتی ہے اور وہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں ؎

اللہ کے در ہی کا ہے سیدھا رستہ
راہی نہ رہے اس کا خراب و خستہ
انسان کی عزت کی یہی صورت ہے
اللہ کے در سے وہ رہے وابستہ

شاہ حسین نہری بڑے جری اور باہمت انسان ہیں۔ پہلے تو وہ اپنے خالق ہی کو محافظ ذات قرار دیتے ہیں پھر اپنی طبیعت کو بھی ایک سپر مانتے ہیں ؎

وہ میرا نگہبان ہے ہر ایک منزل میں
ورنہ تو رکھا کیا ہے بھلا اس گل میں
رحمت ہے اسی کی یہ مری روح رواں
اللہ رہا کرتا ہے میرے دل میں

ان باتوں کے لیے وہ اپنے دستِ طلب کو استجاب کے لیے پھیلائے رہتے ہیں۔ شاہ حسین نہری نے شاعری مقصدیت ہی کے لیے کی ہے۔ محض اپنی ادبی تسکین کے لیے وہ شعر نہیں کہتے۔ ان کی ہر رباعی سے ان کا کوئی نہ کوئی مقصد وابستہ ہے۔ یقیناً رباعی کے فن میں بھی آپ کا ایک بلند مقام بنتا ہے اور اس کے لیے کسی کی تقریظ کی ضرورت ہی نہیں۔

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

دکن میں رباعی کی شمع - شاہؔ حسین نہری

ڈاکٹر ابو اسامہ (ابن آدم)،
مالیگاؤں (ناسک)
موبائل : 8788182676

بے شک رباعی کے اوزان پر تخیل و طبع کو مائل کرنا ہر کس و ناکس کے اختیار میں نہیں۔ یہ فن محض اختیار و صلاحیت اور قوتِ بیان کا ہی نہیں بلکہ دردمندی، وسیع القلبی، بسیط نظری اور ایک عمر کے تجربے کا بھی متقاضی ہے۔ رباعی کے مزاج میں ابتدا ہی سے شوخی، عقیدت، تصوّف، اخلاقیات اور بے ثباتی کا کرب شامل رہا ہے۔ ان جذبات کے شائستہ اظہار و لطیف بیان کے لیے نہایت صبر و تحمل اور عمیق سنجیدگی درکار ہے۔ مشہور ہے کہ قلی قطب شاہ کی عشقیہ رباعیات اس کی پُرتعیّش زندگی اور مزاج کی حقیقی عکاس ہیں۔ سراجؔ کی تصوّفانہ رباعیات اس کے عشقِ حقیقی کو درشاتی ہیں نیز ولیؔ کی رباعیاں اس کے خیالی محبوب کے حسن و سراپا کی تصویر ہیں۔ ان تین شعرا کے بعد دکن میں رباعی گوئی کا سلسلہ موقوف رہا۔ عرصۂ دراز کے بعد شاہؔ حسین نہری کو یہ فن ودیعت ہوا۔ ورثے میں ملی دینداری اور حق پرستی نے ان کی طبیعت میں شائستگی، سنجیدگی اور حکمت بھر دی۔ ذوقِ مطالعہ اور شوقِ تحصیل علم نے انھیں فکرِ جہاں اور کارخانۂ حیات کی سرگرمیوں سے روشناس کیا۔ حوادثِ روز و شب نے غمِ زیست اور کربِ ذات ان پر منوّر کیے اور علمی پختگی کو قوتِ گویائی ملی تو دلی کیفیات بے ساختہ رباعی بن گئیں۔

طعنہ زن ہیں ہم پر بیتی صدیاں
کیوں نیک طریقوں پر حاوی بدیاں
کیوں اب طاری ہوتا جاتا ہے جمود
کیا خشک ہوئیں قلب و نظر کی ندیاں

وہ معاشرے کے کرب کو خوب جانتے ہیں۔ انھیں اپنے اطراف و اکناف میں خوف سے لرزتے اور دھڑکتے دلوں کا بھی احساس ہے۔ اقدار کی پامالی، تہذیب کے تنزل اور علمی بحران سے وہ باخبر ہیں۔ انسانی ضروریات، تقاضے اور اس کی مجبوریاں اور محرومیاں ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ تیز رفتار عہد میں بھی منزل کے متمنی رینگتے اور گھسٹتے جسموں کا انھیں خیال ہے۔

چھدرا چھدرا سایہ، زخمی ہے چھاؤں
چلتے چلتے چھلنی چھلنی ہیں پاؤں
ہے حدّ نظر تک رستہ ہی رستہ
جانے نہ مسافر جانا ہے کس گاؤں

بیشک دُنیا غم و اندوہ سے بھری پڑی ہے۔ کسے تاب ہے کہ سسکتی اور تڑپتی زندگی پر فقط طائرانہ نظر ہی ڈال دے! دلوں میں تاریکی گھر کر گئی ہے۔ کسے جرأت کہ چراغِ اُمید جلائے۔ بعض یہ کرب برداشت نہیں کر پاتے اور کارِ جہاں سے دستبردار ہو کر جوگ لے لیتے ہیں مگر شاہؔ صاحب ان سے نظریں نہیں پھیرتے۔ وہ ناگفتہ بہ حالات میں بھی صبر و استقلال اور حسنِ عمل کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیتے ہیں۔

دُنیا سے اے شاہؔ! نہ ہرگز تُو بھاگ
دُنیا یہ تجھی سے ہے، نہ لینا بیراگ
دُنیا ہے آخرت کی کھیتی، لیکن
ہے حسنِ عمل اس کی سرسبزی لاگ

نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے اور رگوں میں لہو گرمانے اور فکروں میں جوش و ولولہ بھرنے کے لیے وہ کہتے ہیں۔

کب ساحل پر ڈرے نظر آتے ہیں
ہم کاٹ کے ہر ایک بھنور جاتے ہیں
موّاج سمندر سے ہے اپنا رشتہ
کچھ لوگ کنارے ہی پہ اتر آتے ہیں

قضا، فنا اور بے ثباتی سے روگردانی ممکن نہیں۔ مگر انسان دُنیوی خواہشات اور لذّات میں غرق ہو کر اس اٹل حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔ بعض شعرا اس پر کفِ افسوس ملتے ہیں تو بعض تاب نہ لا کر نوحہ خوانی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ شاہؔ حسین نہری حقیقت آشنا ہیں، اور **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** کے فرمان پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

پیدا جو ہوئے ہیں تو ہے مرنا برحق
مشکل ہے، مگر یاد رہے ایک سبق
ہوتی نہیں ختم موت پر زندگیاں
اللہ کی مرضی کا ہے یہ نظم و نسق

☆

مرنے کا انتظار ہر آن کرو
بس، بانگِ قضا ہی پہ سدا کان دھرو
اکثر بھولے رہتے ہو، خود میں مگن
جینا ہے یہی، شاہؔ! کہ یاں آن مرو

اُنھیں درک ہے کہ حیاتِ انسانی قدرت کی محتاج ہے۔ حتیٰ کہ مزاج و طبیعت پر بھی قدرت و موسم کے اچھے اور بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قحط سالی میں وہ، آسمان تکتی آنکھوں کی حسرت کو بھی جانتے ہیں۔

تالابوں ، کنووں میں کا پانی خشک
اِک ہوٗ کا عالم ہرسوٗ ، دھرتی خشک
بارش اب کے برس جو کم برسی
اتنے برسے، ہوئے ہیں آنسو بھی خشک

اور جب مینھ خوب برستا ہے تو دلوں کی مسرّت اور لبوں کی ترّی بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

منظر ہے دُھلا دُھلا ، زمیں تا بہ فلک
بارش ہوکر کُھل بھی گئی دوٗر تلک
بادل کا اُلٹ دیا فضا نے جو نقاب
حُسنِ رُخِ فطرت کی نظر آئی جھلک

☆

پیمانۂ بارش جو گیا آج چھلک
مخمور ہوئی زمین یہ اس حد تک
بجتا ہے جل ترنگ ہرسوٗ، اے شاؔہ!
دیکھو تو زمین کی یہ پیاری سی چہک

عشق کے بغیر دل کا تصوّر محال ہوتا ہے اور شاعری، دل کی ترجمان۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ ترجمانی ’عشق‘ نہ ہو تو کیا ہو۔ اُردو رباعی میں اظہارِ عشق اور بیانِ وارداتِ قلب کی روایت، محمد قلی قطب شاہ سے رائج ہے۔ اس روایت کی پاسداری شاؔہ صاحب نے بھی بڑے سلیقے سے اور برجستگی کے ساتھ کی ہے۔

تعریف سنی تو کیا ہی اترائے
پھر پھول کِھلے باتوں کے، اِٹھلائے
قابو نہ رہا دل پر تو آخرکار
نزدیک، جھجک، سنبھل، مٹکتے آئے

☆

ہے چمپئی سانولی سلونی صورت
سانچے میں ڈھلی ہوئی تیری مورت
تعدیل وتناسب کی، اے تجسیمِ جمیل
تسکین کی ہستی ہے تری ہی صورت

☆

ہے سانولی رنگت میں گلابی کچھ پُٹ
مہندی کے گل بوٹے گویا ہتھ چھُٹ
افشاں بھری مانگ انجمی ہے جھُرمُٹ
جلبابی جلوے ، دُزدیدہ لکھ لُٹ

وہ حسن ہی کیا جسے آنکھوں نے نہیں دیکھا! وہ جسم ہی کیا جو بے روح ہو۔ شاؔہ صاحب کا عشق، ہوائی اور محبوب، خیالی نہیں بلکہ جیتا جاگتا پیکر اور پختہ حقیقت ہے۔ اُنھوں نے اپنی زوجہ سے محبّت کی جیسا کہ حق ہے۔ اپنی مرحوم بیوی ’گلبدن کی یاد میں‘ بے قرار ہوکر اُنھوں نے بہت ساری رباعیاں کہی ہیں۔ یہ رباعیاں مرحومہ کے تئیں، ان کی دیرینہ محبت کا اقرار اور نیازمندی کی دلیل ہیں۔

باتیں کرتے منہ سے جھڑتے تھے پھول
جاتا وہ گلبدن مسرّت سے پھول
اب بستر پر ہے بے بس اِک خاموشی
ہے گلبدنی کہاں، کہاں لب کے پھول

☆

رخصت وہ گلبدن ہوئی آخر کو
ہے ربط مگر جیسے کہ ٹوٹا ہی نہ ہو
یہ بیٹا ، بیٹیاں ہیں روپ اُس کا ، شاؔہ
اب دیکھ جیو ، ان کو جی بھر دیکھو

☆

اشکوں کے وسیلے سے دکھ بولیں نین
اس طرح سے آتا ہے دل کو کچھ چین
تصویر اس گلبدن کی بنتی، مٹتی
اشکوں میں لیے بیٹھے ہیں یہ شاؔہ حسین

الغرض فی زمانہ دکن میں رباعی کی ایک شمع، بنام، شاؔہ حسین نہری، روشن ومنوّر ہے۔ اہلِ دکن اور اہلِ فن کو چاہیے کہ اس شمع کی اہمیت کو سمجھیں، اس سے فیض یاب ہوں، اس کی پذیرائی اور قدر کریں جیسا کہ حق ہے۔ دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شمع کی تابناکی کو تا قیامت قائم رکھے۔ آمین

☆☆☆

رباعیات شاہ حسین نہری

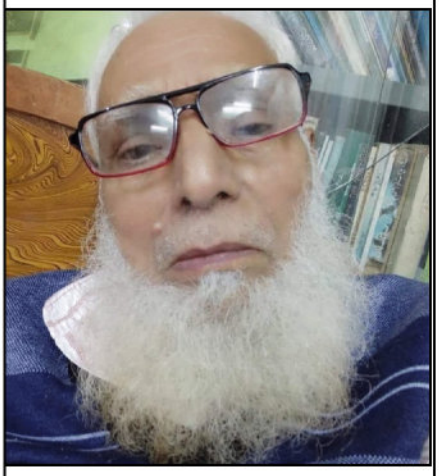

یارب تو میرا ہے میرا یارب!
آلام کا جگ میں ہے سویرا یارب!
لگتے ہیں مجھے اس کی کرنوں کے تیر
ہے ان کا میرے گھر ڈیرا یارب!

☆

قرآن سے پایا ہے یہ روشن ابلاغ
سورج ہے سراج، رب کا یعنی ہے چراغ
ہے شب یہ، اسی چراغ سے، اپنی، دن
پاتے ہی نہیں ورنہ اجالا بے داغ

☆

آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں بادل آنچل
قدموں کو چومے ہے بڑھ کے جل تھل
پھیلی ہے سرسبزی چادر سی سبز
دل میرا رب کے گن گائے ہر پل

☆

محبوس سمندر کا تکلم شوری
سر پٹکے ہے موجوں کا تخاصم شوری
ساحل پہ کھڑے شاہ کا دل ڈوبے ہے
ہے اس میں بپا ایک تلاطم شوری

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

ربیعہ_ رباعیات، جن کا مطالعہ ذکرِ حق سے کم نہیں

مولانا محمد فاروق خان، فرازؔ سلطان پوری

''ربیعہ'' شاہ حسین نہری کی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحب نے نظمیں اور غزلیں بھی لکھی ہیں۔ ''شب تاب'' ان کی غزلوں کا مجموعہ ہے اور ''شب آہنگ'' میں غزلوں کے ساتھ نظمیں بھی شامل ہیں۔ نثر میں ادبی تنقید کے علاوہ دینی موضوعات پر بھی مضامین لکھے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ شاہ صاحب کی رباعیات کا ہے۔ اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بطور قوافی تمام ہی حروف (سوائے ژ کے) کا استعمال کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کو سخت سے سخت زمین میں بھی رباعی لکھنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ شاہ صاحب کو خدا نے پاکیزہ نفسی اور حق شناسی کی دولت سے نوازا ہے۔ اس کی آئینہ دار موصوف کی رباعیات ہیں۔ آپ کی رباعیات کا مطالعہ ذکرِ حق سے کم نہیں۔ چند رباعیات یہاں درج کی جارہی ہیں ؎

ہو نورِرواں آبِ طبیعت مری
خوشبوئے جناں طابِ طبیعت مری
سجدوں سے فروزاں ہو، مہکتی بھی رہے
اللہ یہ محرابِ طبیعت مری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصل غرض کیا تھی؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں ؎

انساں کے لیے آیا نبی انسانی
منشائے الٰہی کی ہیں تکمیل نبیؐ
فوق البشری آپؐ کی پہچان بنیں
ہے آپؐ کی پہچان تو خیرالبشری

کیا خوب فرمایا ع

ہے آپؐ کی پہچان تو خیرالبشری

فن و لطافت کی حقیقت شعور کی طرح غیر مکانی ہے۔ حُسن مطلق کو تو زمان و مکاں سے ماوراء ہی کہا جائے گا۔ خدا کی ذات جسم و مادہ سے پاک ہے۔ اس حُسن مطلق کی طلب اور منزہ ذات کی پرستش ہی رعنائی حیات ہے۔ حُسنِ مطلق کی طلب میں شاہؔ فرماتے ہیں ؎

اے حُسنِ جہاں، حسنِ بے جانب، سُن
ہر قلب لبے، وجود بے قالب، سُن
پھر جانِ شاہ کے لیے ہو تسکین
یہ حُسن و لطافت کا ہے طالب، سُن

خدا کے سچے بندے ان خصوصیات کے حامل ہوا کرتے ہیں ؎

جذباتِ عداوت کو مٹا دیتے ہیں
جذبات اخوت کو جِلا دیتے ہیں
اللہ کے سچے جو ہیں بندے اے شاہ!
نفرت کی لگی آگ بجھا دیتے ہیں

انسان کی حیثیت ایک مسافر اور راہی کی ہے اور وہ راہی ہے عقبیٰ کا دوام اس کی تقدیر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

میرے رخ و راہ کو مجلّٰی کردے
اللہ! مرا قلب مصفّٰی کردے
ہوں شرک و گنہ کے روڑے یہ سب دور
اللہ! مجھے راہیِ عقبیٰ کردے

فطرت کی عکاسی اور peroonificaion ملاحظہ ہو ؎

خوش دیکھ مجھے، رہتے ہیں خوش خوش پتّے
تالی بھی بجاتے ہیں وہ سب ہاتھوں سے
غم ہو جو مجھے، ہوتے ہیں وہ بھی غمگین
افسوس میں ہاتھ اپنے وہ آپ ہیں ملتے

موجودہ دور کے ظلم و ستم کے سلسلہ میں وہ کہتے ہیں ؎

''بش گردی'' یہ ''کلنٹنی'' یہ کب تک
فرعونی یہ نمرودی یہ کب تک
اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں
''جس کی لاٹھی بھینس اُس کی'' یہ کب تک

فن سے دلچسپی رکھنے والوں اور حق و صداقت کے پرستاروں کے لیے ربیعہ ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔ ☆

رباعیات شاہ حسین نہری

●

کہرا پالے کا ہے گھنیرا یارب!
ہو فضل زِمعصرات تیرا یارب!
زرخیز مری کھیتی کو یارب! کردے
میں خاک پسر ہوں کب وڈیرا یارب!

●

سوتے نگہِ ناز کے کیوں ہیں سوتے
کیوں خاک میں اپنی نہیں آنسو بوتے
شب اشک کے موتی جو نہ ڈھلکیں چمکیں
بجھ جائیں نہ یہ جوش کے آخر سوتے

●

انساں ہے مگر اپنا نہیں ہے کچھ ہوش
کیوں عقل ہے خفتہ یہ تری غفلت پوش
عرفان تجھے اپنا نہیں ہے حاصل
اے نازشِ کائنات امانت بردوش

●

حاصل ہے کوئی شے تو تذبذب کیوں اب
اپنے ہی سے، اے شاہ! تخاطب کیوں اب
دہلیز پہ واقعے کی رکھے بھی قدم
سایوں ہی کا بے فیض تعاقب کیوں اب

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

''ربیعہ''، معنی خیز دیوان رباعیات

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

شاہ حسین نہری ایک علم دوست اور صاحب حال خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اگر چہ اب وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہو چکے ہیں لیکن آپ نے اسکولوں اور کالجوں میں کامیاب معلمانہ زندگی گزاری ہے۔ چونکہ زبان پر عبور حاصل ہے اس لیے آپ کی شاعری کی زبان میں بھی نکھار ہے۔ کتاب زیر تبصرہ کے علاوہ ۱۹۷۹ء اور ۲۰۰۴ء کے درمیان آپ کے چار شعری مجموعے اور فن عروض پر ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی کچھ نظمیں اور ترانے ہنوز منتظر اشاعت ہیں۔

شاہ صاحب نے بحمد للہ نہایت پاک و صاف زندگی گزاری ہے۔ ان کا دینی ذوق براہ راست قرآن و سنت سے مستفاد ہے۔ اس کا پرتو ان کے پورے کلام پر نظر آتا ہے۔ دیوان ''ربیعہ'' تو ایسے خیالات سے مملو ہے۔

رباعی کی صنف فن شعر گوئی میں مشکل ترین صنف ہے اور اس میں کامیابی سے عہدہ برآ ہونا کارِ دارد ہے، چونکہ شاہ صاحب کو عروض کا بھی ذوق ہے، اس لیے وہ اس آزمائش سے نہایت آسانی سے گزر گئے ہیں۔ رباعی بحر ہزج میں اخرب و اخرم مثمن سے ہوتی ہے اور اس میں بہت سے زحافات رائج ہیں، جن کی تعداد چوبیس تک پہنچتی ہے۔ اس کا مشہور وزن لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی ایک رباعی میں اس کلمۂ حق کو نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ہے کبر قبول حق میں سدراہ
ابلیس ہوا کبر کے باعث ہی تباہ
مردود بنے کبر کو اپنا کر کون
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

رباعی کی صنف میں فارسی اور اردو کے تمام بڑے شعراء نے طبع آزمائی کی ہے اور بعض بعض نے تو پورا مجموعۂ رباعیات ہی مرتب کیا ہے۔ میرؔ، انیسؔ، حالیؔ، جگت موہن لال رواںؔ اور امجدؔ حیدر آبادی ان میں بہت مشہور ہیں۔ موجودہ دور میں رباب رشیدی نے اپنے مجموعۂ کلام ''ابر سفید'' کا دیباچہ رباعیات میں لکھا ہے جس میں اٹھارہ رباعیاں ہیں۔ اس میں نعت پاک سے مملو مزید سولہ رباعیاں بھی ہیں۔ پروفیسر سمیع اللہ اسدؔ (کولکاتا) نے رباعیاں تو نہیں لکھیں لیکن چار مصرعوں کے قطعات پر مشتمل پورا ایک مجموعۂ کلام شائع کیا ہے، جس کا نام ''عکس در عکس'' ہے۔ شاہ صاحب نے رباعیاں بالالتزام لکھی ہیں۔

شاہ صاحب نے اس مجموعۂ رباعیات میں ردیف کی ترتیب معکوس استعمال کی ہے یعنی ردیف بجائے ''الف'' سے ''ے'' تک کے ''ے'' سے ''الف'' تک۔ یہ ایک جدت ہے۔ بھیونڈی کے اقبال محسن امیدی نے بیت بازی کے لیے بچوں کی سہولت کی خاطر ایک ضخیم مجموعۂ کلام مرتب کیا ہے اس میں انھوں نے بھی ردیف کی ترتیب معکوس سے کام لیا ہے۔

اس مجموعہ میں ایک سو چھہتر رباعیاں ہیں۔ سب کا معیار یکساں ہے، نہ بغایت بلند، نہ بغایت پست، لیکن زبان، ذہن اور قلب کی طہارت اپنی خوشبو سے مجموعے کو معطر کیے ہوئے ہے۔ کلام میں غایت درجہ سلاست و روانی ہے۔

''ربیعہ'' پورا کا پورا مکارم اخلاق، ترغیب و ترہیب، اوامر و نواہی، ربوبیت خداوندی، فکر آخرت، بے وقاریِ دنیا، رشتوں کی پامالی پر نوحہ جیسے افکار سے عبارت ہے۔ اس کلام میں عرفان کی جلوہ گری ہے لیکن تصوف کی گم گشتگی اور ربودگی نہیں ہے۔ یہ گناہوں کا اعتراف نامہ اور مغفرت کی امیدوں سے پر ہے۔ پہلی اور دوسری رباعی میں حمد اور نعت کے بعد تیسری رباعی میں ظلم کے خلاف ماتم کیا گیا ہے۔ ظلم کے خلاف اللہ ہی سے استمداد ہے۔ صفحہ ۹۵ پر بھی ایک بہت اچھی نعتیہ رباعی ہے۔

موضوعی شاعری بالعموم فنی اعتبار سے کمزور ہوا کرتی ہے۔ ''ربیعہ'' پر بھی اس کا اثر ہے، لیکن یہ کمزوری عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ تقریباً پورا کلام یکساں اور ہموار ہے۔ بعض رباعیوں میں ضرب المثل کے ساتھ ہی اختراعِ اصطلاح سے کام لیا گیا ہے جیسے ؎

''بش گردی'' یہ ''کلنٹنی'' یہ کب تک
فرعونی یہ نمرودی یہ کب تک
اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں
''جس کی لاٹھی بھینس اس کی'' یہ کب تک

شاعر نے صنائع و بدائع کا بھی استعمال کیا ہے جیسے صنعت لفظی میں تجنیس کی مثالیں ؎

کپڑے بھی اتر جائیں تو کیوں ہیں بے حس
کھل کھیلنا یوں حق میں ہے اپنے بَس، بِس
ترکیب میں ہے خاص یہ امت اے شاہ
پہچان ہماری نہیں کرکٹ ٹینس

کیوں یہ تقلید آبا، آ اب آ
رب کے در پر جھک جا، آ اب آ
در در جھکنا ذلت ہے انساں کی
رب کو سجدہ کر بابا! آ اب آ

صنعت معنوی میں حسن التعلیل کی ایک مثال ؎

بھارت کے سبھی صوبوں میں اردو رائج
یہ قصر حکومت سے مگر ہے خارج
اردو جو بنی سب کی کہیں کی نہ رہی
ہرجائی نہ ہوتی تو نہ گرتا فالج

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

شاہ صاحب کی بہت سے رباعیات کی بنیاد قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ ہیں۔شاعر کے طہارت فکر و فن کی تصدیق میں چند رباعیاں نذر قارئین ہیں۔

اخیار ہیں ، ابرار ہیں ، اللہ ترے
فساق ہیں ، فجار ہیں ، اللہ ترے
دیتا ہے جہاں میں تو سبھی کو روزی
سب نیک و گنہگار ہیں ، اللہ ترے

حق بات ہے یہ ختم رسالت کا اصول
اب بند ہوا وحیِ رسالت کا نزول
تکمیلِ عمارتِ رسالت ہیں حضورؐ
بعد آپؐ کے کوئی نہیں ، واللہ! رسول

معبودوں کی تکثیر ہو یا ہو تثلیث
معبودوں کی تذکیر ہو یا ہو تانیث
توحید منزہ ہے ، مطہر ہے ، نطیف
ہے شرک بہ ہر حال نجس اور خبیث

تاویل پہ تکیہ ہے ،عمل میں تخفیف
اس پر بھی کیا کرتے ہیں اپنی توصیف
اسلام میں داخل ہوں تو پورے پورے
اچھا ہے رہیں بن کے جو ہم لوگ حنیف

دنیا کے بھی گلزار ہیں ، اللہ ترے
عقبیٰ کے بھی انوار ہیں ، اللہ ترے
دنیا سے نصیب اپنا ملے ہم کو مگر
ہم شائقِ دیدار ہیں اللہ ترے

وہ کوثر و تسنیم سے سیراب حواس
وہ طائرِ فردوس کے نغموں کی مٹھاس
اللہ سے ،محبوبؐ سے ،قربت کی خوشی
جینے کے تسلسل کا نرالا احساس

میری نظر میں یہ پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں شاعر نے علامات وقف کا ہر جگہ التزام کیا ہے ،جس کی وجہ سے الفاظ کے دروبست کا سمجھنا بہت سہل ہوگیا ہے۔کاش دیگر شعراء بھی علامات وقف کا ایسا ہی التزام فرماتے۔

شاعر نے ایک جگہ قافیے کی رعایت سے جھڑی کی جگہ جھاڑ استعمال کیا ہے جو غلط ہے:''اشکوں کا بندھا آج یہ کیوں کر جھاڑ'' جھاڑ کے معنی جھڑی کے نہیں ہوتے۔ ایسے ہی ''چھلنے'' کا لفظ (ص ۶۹) اس خاکسار کی نظر سے نہیں گزرا۔''سرنا'' بہ معنی ''ختم ہونا'' (ص ۹۵) سے بھی یہ کم سواد واقف نہیں ہے۔ممکن ہے مقامی طور سے مرہٹواڑا میں مستعمل ہو۔شاعر نے صفحہ ۵۷ پر ''بے انتہا'' کی جگہ ہندی لفظ ''بے انت'' استعمال کیا ہے جو رباعی جیسی صنف میں بھلا نہیں لگتا۔

سید حامد حسن قادری نے اپنی تصنیف ''داستان تاریخ اردو'' میں اپنی تصویر شامل کرنے کی لوگوں کی فرمائش پر یہ قطعہ تحریر فرمایا تھا۔

وہ چھپواتے ہیں اخباروں میں تصویر
ذرا حضرت کو آئینہ دکھانا
دکھا سکتے نہیں دل کی سیاہی
تو بالوں کی سفیدی کیا دکھانا

آج کل جب کہ مجموعہ ہائے کلام میں بڑے بڑے دیندار شاعر بھی اپنی تصویریں چھپوا رہے ہیں کسی دیوان میں شاعر کا اپنی تصویر چھپوانے سے احتراز کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔یہ کام وہی کرسکتا ہے جو واقعی تصویر کشی کو دل سے حرام سمجھتا ہو،اور کیمرے کی تصویر (photography) یا نقاطی تصویر (digital photo) کو بھی قلمی تصویر کے دائرے میں شامل سمجھتا ہو۔شاہ حسین صاحب نے اس مجموعۂ کلام میں اپنی تصویر نہ دے کر حرمت حدیث کی ایک مثال قائم کی ہے۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء،لیکن اس کمی کو ان کے نواسے نے کمپیوگرافی میں گل بوٹوں سے مزین کر کے اس طرح پورا کیا ہے کہ بہتوں کو تصویر کی کمی کا احساس بھی نہ ہوگا۔سرورق پر تجریدی آرٹ (abstract painting) کا گمان ہوتا ہے اور بقیہ پوری کتاب گلستاں کا منظر پیش کرتی ہے۔یہاں تک کہ ٹائٹل کی پشت کی قیمتی عبارت کا پڑھنا بھی آنکھ والوں کا کام ہوگیا ہے۔پس منظر میں ہر صفحے پر ''ربیعہ'' کا مونوگرام آنکھوں کو سرور بخشتا ہے۔اسلام نے تصویر کشی کو حرام قرار دیا ہے ،لیکن خطاطی اور منظر کشی کی اجازت دے کر ذوق لطیف کی صحیح معنوں میں آبیاری کی ہے۔

شاعر نے اس دیوان کا نام ''ربیعہ'' بھی بہت معنی خیز رکھا ہے۔ربیعہ کا مادہ ر ب ع ہے۔اسی مادہ سے رباعی (چار چار) ، اربع (چار) اور ربع (چوتھائی) وغیرہ بنے ہیں۔الربیع ،موسم بہار کو بھی کہتے ہیں۔ ربیعہ اسی کا مونث ہے۔اس کا مطلب چمنستان ہوتا ہے۔اس کا ایک معنی ''عطردان'' بھی ہے۔دیوان ''ربیعہ'' صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے چمنستان و بہارستان اور عطر و خوشبو کا مصدر و منبع ہے۔

کتاب کی پیشکش نہایت عمدہ اور کاغذ چکنا نہایت اعلیٰ قسم کا استعمال کیا گیا ہے۔یہ شاعر اور ناشر دونوں کے نفاست طبع کی دلیل ہے اور دونوں اس کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ادبی کتابوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے لیکن صوری اور معنوی خوبیوں کی وجہ سے اس کتاب کی قیمت زیادہ گراں نہیں ہے۔

☆☆☆

☆☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

ماہرفنِ رباعیات ___ شاہ حسین نہری

ڈاکٹر یوسف صابر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

رباعی کا جب بھی ذکر ہوتا ہے خیام کا نام ذہن میں گردش کر جاتا ہے، رباعیات کے فن کو خیام نے جو مقام عطا کیا ہے اُس سے فارسی زبان و ادب کو عالمی سطح پر سرفرازی حاصل ہونے میں مدد ملی ہے۔ اردو زبان و ادب میں بھی چند شعراء ہیں جنھوں نے رباعی کے فن میں کمال حاصل کر کے مقبولیت بھی حاصل کی اور اردو زبان و ادب کو وقار بھی بخشا۔ ان ہی چند شعراء میں شاہ حسین نہری کا نام شامل ہے۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ رباعیات تخلیق کرنا مشکل کام ہے۔ شاعر اگر دلچسپی لے تو یہ زیادہ مشکل نہیں البتہ اس فن میں کمال حاصل کرنا زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔ مختصر ترین شعری اصناف سخن میں صنف رباعی کو سرتاج کا درجہ حاصل ہے اور بے شک یہ تاج نہ صرف کمال بلکہ نام کی مناسبت سے بھی شاہ حسین نہری کے سر سجا ہے۔ مختصر شعری صنف میں رباعی کا تقابل قطعہ سے کیا جائے تو رباعی کے فن کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ رباعی اور قطعہ دونوں چار مصرعوں کے ہو سکتے ہیں مگر رباعی کبھی چار مصرعوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی جبکہ قطعہ چار سے زیادہ یعنی چھ کا، آٹھ کا یا اس سے بھی زیادہ مصرعوں کا ہو سکتا ہے۔ رباعی کے لئے صرف ایک بحر ہے۔ بحرِ ہزج جس کے چوبیس اوزان میں رباعی تخلیق کی جا سکتی ہے اور جن کا آپس میں خلط بھی جائز ہے۔ رباعی کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اس کا ہر مصرع سببِ خفیف سے ہی شروع ہوتا ہے جبکہ قطعہ سبب و وتد دونوں سے شروع ہو سکتا ہے اور قطعہ کسی بھی بحر و وزن میں تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے رباعی کے مقابلے قطعہ تخلیق کرنا آسان ہے۔ بے عیب رباعی تخلیق کرنا مشکل ہے اور اس سے بہت زیادہ مشکل ہے رباعیات کا دیوان ترتیب دینا، شاہ حسین نہری نے اب تک رباعیات کے دو دیوان شائع کر دیئے ہیں جو صنفِ رباعی میں اُن کے بلند قد کو واضح کرتے ہیں۔ شاہ حسین نہری نے رباعیات تخلیق کرنے میں اپنی جن صلاحیتوں کا استعمال کیا اور جو محنت کی اس کا اعتراف نہ صرف نقاد بلکہ ماہرِ فنِ رباعیات بھی کرتے ہیں جن میں ناوک حمزہ پوری اور پروفیسر علقمہ شبلی بھی شامل ہیں۔ شاہ حسین نہری قطعہ تاریخ بھی تخلیق کرتے ہیں۔ غزل، قصیدہ اور مرثیہ کے علاوہ دیگر شعری اصناف بھی تخلیق کرتے ہیں مگر صنف رباعی تخلیق کرنے میں وہ شہر اورنگ آباد کی ناک ہیں۔ اس صنف میں انھوں نے اورنگ آباد کا نام ساری دنیا میں روشن کیا ہے۔

شاہ حسین نہری نے اپنے شعری سفر میں سب سے زیادہ رباعیات پر ہی محنت کی ہے جس کے نتیجے میں انھوں نے ''ربیعہ'' اور ''شاہ بانی'' کی صورت میں دو رباعیات کے دیوان کے علاوہ دیگر شعری مجموعوں میں بھی اس صنفِ شاعری کو شامل رکھا۔ جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک جگہ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے تحریر کیا ہے :

''جہاں تک رباعی کا تعلق ہے تو اس میدان کے نہری دھنی ہیں۔ 'ربیعہ' اور 'شاہ بانی' نہری کے دو اوین رباعیات ہیں۔ انھوں نے اپنی رباعیوں میں ٹ، ڈ، ڑ، ژ جیسے دقیق ردیفیں بھی استعمال کر ڈالی ہیں۔ 'شب آفتاب' میں بھی ان کی کم و بیش پچاس رباعیاں شامل ہیں۔''

(عالم گیر ادب [اورنگ آباد دکن] کتابی سلسلہ، شاہ حسین نہری فن اور شخصیت۔ مدیر: عارف خورشید، ص ۳۰۴)

شاہ حسین نہری صداقت پسند، راست گو، صاف گو، مخلص، محسن، عبادت گذار، وضعدار، محبت و ایثار کے جذبے سے سرشار، صابر، شاکر، حوصلہ مند، محنتی، خوش مزاج، سادگی و پاکیزگی پسند اور ذہین و فطین انسان ہیں۔ ان کی شخصیت کی یہ خوبیاں نہ صرف رباعیوں سے بلکہ دیگر شعری اصناف سے بھی جھلکتی ہیں۔ شاہ حسین نہری اپنا ہر کام نہایت سنجیدگی، دیانت داری اور ذمہ داری سے انجام دیتے ہیں۔ ان کی ان صفات نے انھیں صنف رباعی کا منفرد، رنگا رنگ و بلند مرتبہ شاعر بنا دیا ہے۔

قمر سنبھلی نے شاہ حسین نہری کے کلام کو فکر و فن کا امتزاج قرار دیتے ہوئے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''جناب سید شاہ حسین نہری دکن کے ایک بزرگ اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ فن اور فکر کے اعتبار سے ان کا مقام بہت بلند ہے اور اساتذہ میں ان کا نام بلا خوف و تردّد لیا جا سکتا ہے۔ کئی شعری مجموعے اور رباعیات کے دیوان شائع ہو کر آپ کے فکر و فن کا خراج وصول کر چکے ہیں۔''

(ماہنامہ ''رہنمائے تعلیم جدید'' دہلی، دسمبر ۲۰۱۱ء)

شاہ حسین نہری نے اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے رباعیات کو ذریعہ بنایا ہے۔ انسانیت ہو، ہمدردی ہو، بھائی چارہ ہو، دوستی ہو، محبت ہو یا پھر غم ہو یا خوشی، ہر جذبہ کے اظہار کے لئے شاہ حسین نہری نے رباعیات تخلیق کی ہیں۔ شاہ حسین نہری کی احبابی رباعیوں سے ایک رباعی پیش کر کے میں اپنے قلم کو روکتا ہوں جو ڈاکٹر عظیم راہی کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔

افسانچہ رجحان عظیم راہی
ہاتھ آئی شہرت بھی انھیں من چاہی
افسانچے کی راہ بھی ہے ایک مگر
دیگر کئی راہوں کے بنے یہ راہی

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

''شاہ بانی'' دیوان رباعیات شاہ ایک مطالعہ

ڈاکٹر عقیل ہاشمی

رباعی کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ شاعروں کے ہاں ثانوی حیثیت رکھتی ہے، حالانکہ رباعی کی چند ایک ایسی مابہ الامتیاز خصوصیات ہیں جو یقیناً اہل ذوق کو متوجہ و متاثر کرسکتی ہیں، تب ہی تو آج بھی کئی شاعر اس صنفِ سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کا چلن عام نہیں اور یہ ایک طرح سے روبہ زوال ہو رہی ہے کیونکہ جہاں تک اس کی خوبیوں کا معاملہ ہے وہ معروف و معلوم ہیں اور اس کے اسقام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رباعی سے کوئی بھی نظام فکر کا اظہار ممکن نہیں۔ مزید مشق و ممارست کے باوصف شاعر کے تخلیقی جذبے اس سے مجروح ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ بہرحال عروضی شکنجے میں پھنسی ہے۔ فارسی شعراء کے بعد اردو کے بہتیرے شعراء نے اس صنفِ سخن میں اپنی جولانیاں دکھلائیں۔ ماضی قریب میں میر انیسؔ، مولانا حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، فراقؔ اور امجدؔ نے اس میں کمال حاصل کیا۔ امجدؔ حیدرآبادی کے کلام کا زیادہ حصہ رباعی پر مشتمل ہے جبکہ کم و بیش ہر شاعر نے نصابِ شاعری کی تکمیل کی صورت میں کچھ نہ کچھ رباعیات ضرور کہی ہیں۔ اردو میں قلی قطب شاہ کی رباعیات اور اس سے بہت پہلے خواجہ بندہ نوازؒ کی رباعی۔

مشہور بہ حیرت ہو کے ہیچ ہے واللہ
مرنے کے انگے ہو مر کے فانی فی اللہ
خناس کے وسواس سوں تو پائمال ہو
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(دکنی رباعیاں) از: جمال شریف (مجلّہ عثمانیہ۔۶۴ء)

سے لے کر عصر حاضر تک رباعی کا خاصہ مزاج، مرتبہ، معیار و مدار بنا رہا۔ اس میں حسن و عشق اخلاق و تصوف مذہب و معاشرت ہر طرح کے موضوعات کی فراوانی ملے گی۔ آج ایسا ہی ایک رباعیات کا مجموعہ، دیوان کی صورت میں میرے پیش نظر ہے۔ دیوان یعنی حروف تہجی کے تحت کہی گئی رباعیات، شاہ بانی دیوان رباعیات شاہ جس کے شاعر ہیں شاہ حسین نہری (اورنگ آبادی)

''شاہ بانی، دیوان رباعیات شاہ'' اس مجموعہ کا تاریخی نام ہے۔ اس سے پہلے بھی شاہ حسین نہری صاحب اپنی شاعرانہ قابلیت و مہارت کے مظاہرے شب آہنگ، شب تاب اور سامانِ تسکین کی صورت میں کر چکے ہیں جبکہ رباعیات سے موصوف کی غیر معمولی دلچسپی نے رباعیات شاہ، ربیعہ دیوان رباعیات شاہ کے بعد شاہ بانی دیوان رباعیات شاہ کو منصۂ شہود پر لایا۔ ان تینوں مجموعوں میں دو دیوان ہیں، رباعی کے اس دیوان کے سلسلہ میں پروفیسر محمد علی اثرؔ کی تحقیق میں حیدرآباد کے دو شاعر احمد علی عصرؔ اور محمد غوث عزمؔ، شاہ حسین نہری سے پہلے رباعی کے صاحب دیوان شاعر ہیں اور یہ دونوں حضرت میر شمس الدین فیضؔ کے مرید و شاگرد ہیں، لیکن اس عاجز کے علم میں فیضؔ ہی کے ایک اور شاگرد مرید قاضی احمد علی قاضیؔ نے بھی رباعیات کا ایک مکمل دیوان مخطوطہ اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ (راقم یہ دیوان دیکھ چکا ہے۔)

شاہ بانی دیوان رباعیات شاہ کا بالاستعیاب مطالعہ، اس کے محاسن اور خوبیوں کی گواہی دے گا۔ شاہ حسین نہری بنیادی طور پر استاد ہیں، شاعری سے یک گونہ دلچسپی رکھتے ہیں، بالخصوص رباعی میں موصوف کی فنکارانہ استعداد دیدنی ہے۔ اس دیوان میں تقریباً ڈھائی سو رباعیات ملتی ہیں۔ پہلی رباعی ردیف الف میں حمدیہ، دوسری نعتیہ رباعی ردیف 'ب' کے بعد حروف تہجی کا

سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے حروف تہجی کی پابندی یا التزام کی خاطر بھی رباعیات کہی گئی ہیں جس کی وجہ سے بعض حروف جیسے پ، ٹ، ت، ح، ڑ، رض وغیرہ کے لیے کہی گئی رباعیات فنی لحاظ سے درست ہوتے ہوئے بھی غرابت لفظی و معنوی کے دائرہ میں آگئیں۔ مزید شاعر موصوف نے اکثر نامانوس بلکہ نافہمیدہ اور مغلق الفاظ کا استعمال کیا ہے جس سے کم از کم آج کا عام قاری متحمل نہیں ہوسکتا جبکہ شاعری کا مقصد آسودگی، لذت و تسکین بھی ہے اور جب تک ان باتوں کی ترسیل نہ ہو داد بے داد ہو کر رہ جائے گی۔ مثلاً جلبابی، لکھ لٹ، راجح، توبیخ، لابد، ژاژ، کلونس، حظاظ، جزوع، منوع، ہلوع وغیرہ۔ اس دیوان کی زیادہ تر رباعیات کا دائرہ عمل یا ارتکاز فکری مذہبی، اخلاقی، پند و موعظت سے متعلق ہے۔ شاہ حسین نہری نے کائنات میں پھیلی ہوئی فطرت کی نیرنگیوں کی جانب بھی خوب اشارے کئے ہیں۔ بنی آدم اعضائے یک دیگرانند کی وضاحت دیکھئے۔

دنیا میں کیوں ہو بے کس کوئی فرد
کیوں ہو جذبہ انسانیت کا سرد
بھائی بھائی ہم ابنائے آدم
انساں ہو انساں کا سچا ہمدرد

رباعی گوئی کے لیے قرآن، احادیث، اقوال بزرگان، کہاوتیں اور ضرب الامثال وغیرہ کا حسن استعمال گویا سونے پہ سہاگہ کے مصداق ہے۔ شاہ حسین نہری صاحب نے اس مجموعے میں بڑی عمدگی، سلیقہ شعاری اور مکمل انہماک سے ان تمام امور کا خیال رکھا۔ قرآنی آیات کا برمحل استعمال دیکھیے۔

اول : انا اعطینک الکوثر
فرمان ہے پھر صل لربک وانحر

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

آخر میں ہے تسلی ربانی!
ہے آپؐ کا دشمن ہی بیشک ابتر

مزید یہاں معاشرتی ، مذہبی ، اخلاقی ،تہذیبی اقدار کی فراوانی بھی ملے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ رباعی جیسی شاعری ہمیں دوسری زبانوں میں بھی مل جاتی ہے۔ عرصہ پہلے ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ، اردو رباعیات میں اس امر کی وضاحت کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں :

''رباعی مختصر صنف سخن ہونے کی وجہ مفید ثابت ہوئی ہے۔ بہت سی باتیں جو دو مصرعوں میں نہیں کہی جاسکتی ہیں، چار مصرعوں میں ادا ہو جاتی ہیں۔ چار مصرعوں یا چار سطروں والی شاعری دنیا کے مختلف ادب میں پائی جاتی ہے اور اس نے ہر جگہ مقبولیت حاصل کی ہے۔'' (ص ۳۴)

چنانچہ سنسکرت کے اشلوک چار چرن میں ملتے ہیں بلکہ کالی داس کا مشہور ڈرامہ ''میگھ دوت'' اسی میں ہے۔ ہندی میں چوپائی کے شاعر ہیم چندر سوری کے علاوہ چند بروائی اور ملک محمد جائسی اس فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ پشتو ادب میں رضا ہمدانی اور فارغ بخاری کے ہاں بھی رباعی سے ملتی جلتی شاعری موجود ہے۔ خوشحال خاں خٹک کا کلام اس کی مثال ہے۔ انگریزی میں چار لائن والی شاعری عمومیت رکھتی ہے۔ ڈرائیڈن (Draidon) گرے (Gray) اور ورڈس ورتھ (Wordsworth) نے اس صنف پر زیادہ توجہ دی ہے۔

انگریزی کے قطع نظر لاطینی میں ہورلیس (Horres) اور ورجل (Wargel) نے بھی اس قسم کی شاعری میں کافی شہرت پائی۔ جدید تحقیق میں ایڈورڈ براؤن (Edward Brown) بھی اس پر متفق ہیں کہ رباعی عربی الاصل ہونے کے باوصف دوسرے اصناف کی طرح نظم فارسی سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب The history of persia (Vol.II) میں رباعی کا نام ''دوبیتی'' لکھا ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی رباعی کی ایجاد کو اتفاقی یا شخصی (یعقوب بن لیث سلجوقی کے لڑکے کی داستان یارودکی کی اختراع) نہیں مانتے۔ صاحبان معیار فصاحت ،خزانہ عامرہ اور المعجم فی معاشر الشعار العجم کا خیال ہے کہ رباعی میں چونکہ زحافات ہوتے ہیں اس لیے عرب شعراء نے اس جانب زیادہ توجہ نہیں کی ،مگر متاخرین نے اس جانب رغبت دکھلائی۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی اور ساتویں دہائی میں حیدرآباد میں ادارۂ قدر ادب نے اس خصوص میں ایک اہم کارنامہ انجام یہ دیا کہ اس کے موسس حضرت قدر عریضی نے محفل دوبیتی کا باالتزام انعقاد فرمایا، جس سے نہ جانے کتنے ہی شاعر رباعی گوئی کی جانب متوجہ ہوئے ، چنانچہ نواب مظفر الدین خاں المتخلص صاحب حیدرآبادی نے اپنے تین ضخیم رباعیات کے مجموعے شائع کیے۔ اس کے علاوہ ایک تذکرہ بعنوان ''جنوبی ہند میں رباعی گوئی'' تحریر کیا۔ حیدرآباد میں امجد کے بعد جذب عالم پوری، ڈاکٹر آر آر سکسینہ الہام ،قدر عریضی ، کامل شطاری ،صدیقی نقشبندی ، علامہ نجم آفندی سمیت نئی نسل کے کئی شعراء نے اپنے اپنے انتخاب شائع کیے۔ راقم الحروف کا اولین شعری انتخاب ''موج نظر'' ۱۹۷۶ء بھی رباعیات ہی پر مشتمل تھا۔ عبارت مختصر ، شاہ بانی دیوان رباعیات شاہ کو عصر حاضر میں رباعی گوئی کے رجحان ساز مجموعے کا نام دیتا ہوں کیوں کہ اس میں شاہ حسین نہری نے رباعی کے فروغ اور اس کے استحکام کی دانستہ وشعوری کوشش کی ہے۔ ان کی یہ رباعی دیکھئے ۔

ہے صنف رباعی صنفِ خوش گفتار
اس کی گفتار چوکھی پہلودار
ربط اور ترقی ، آخر مصرع ، وزن
ہوں چاروں خوب تو معانی کی بہار

واضح ہو کہ ایرانی شعراء نے بحر ہزج کے چوبیس اوزان کے استعمال پر زور دیا۔ پروفیسر سید وحید اشرف اپنی کتاب رباعی حصہ دوم میں رقم طراز ہیں :

''رباعی کے لئے بحر ہزج متعین ہے۔ اس سے نو زحافات نکالے گئے ہیں اور ان زحافات سے چوبیس اوزان۔ اگرچہ رباعی میں بے شمار زحافات پیدا کیے جاسکتے ہیں اور اس طرح بیشمار اوزان وجود میں آسکتے ہیں لیکن عروضیوں نے زحافات محدود کر کے چوبیس متعینہ اوزان تک ہی اجازت دی ہے۔'' (ص:۱۔مقدمہ)

پروفیسر وحید اشرف نے نو زحافات کی تفصیل یوں بتلائی (۱) اخرب (مفعول) ، (۲) اخرم (مفعولن) ، (۳) مکفوف (مفاعیل) ، (۴) مقبوض (مفاعلن) ، (۵) اہتم (فعول) ، (۶) مجبوب (فعل) ، (۷) اثبر (فع) ، (۸) اشتر (فاعلن) ، (۹) ازل (فاع)۔

رباعی کے انہی زحافات کے مدنظر عرصہ ہوا ، صاحب بحر الفصاحت (نجم الغنی خاں) نے حسن قسطانی کے بنائے ہوئے شجروں میں ، اخرب واخرم کے سبک ترین اور ثقیل ترین بحروں کی نشاندہی کی۔ اخرب کی سبک ترین بحر یہ ہے۔ مفعول مفاعلن ، مفاعیل ،فعل اور ثقیل ترین بحر مفعول مفاعلین ،مفعولن ،فع۔ شجرہ اخرم کی سبک ترین مفعولن ، فاعلن ، مفاعیل ،فعول اور اس کی ثقیل ترین مفعولن مفعولن مفاعیل فع ہے۔ شاہ بانی دیوان رباعیات شاہ کی اس خوبصورت اشاعت پر مبارکباد دیتے ہوئے اتنا کہا جاسکتا ہے کہ شاہ حسین نہری نے اس میں حسن معنوی کے ساتھ حسن صوری کا بھی خوب اہتمام کیا ہے۔ خصوصیت سے عبدالماجد (مرحوم ☆) کے معنی خیز خاکے (مرقعے) دکن کے مشہور آرٹسٹ سعید بن محمد نقش کی یاد دلاتے ہیں۔ البتہ مرقعوں کے ساتھ والی رباعیات کا اندراج دوہرا ہوا ہے۔ کتابت چاہے کاتب کی ہو یا کمپیوٹر کی ، اغلاط کے امکانات لازم وملزوم ہیں تاہم نہری صاحب نے تصحیح نامہ سے اس کا ازالہ کر دیا ہے۔ اسکیچس جناب رؤف صادق کے بنائے ہوئے ہیں، عبدالماجد صاحب کے نہیں۔ ☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

عکس و نظر

شاہ حسین نہری بحیثیت رباعی گو چند قلم کاروں کی نظر میں

مرتب: ڈاکٹر یوسف صابر

شاہ حسین نہری کا بحیثیت رباعی گو ادب میں مقام سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا عنوان کے تحت چند دانشوروں، ادیبوں اور نقادوں کے بیانات درج ہیں :

● ''شاہ صاحب نے اپنے تربیت یافتہ ذوق اور شعور سے کام لیتے ہوئے جہاں حکمت و دانائی سے بھرپور رباعیاں کہی ہیں، وہیں اپنے وجدان، شعری تجربے اور شاعرانہ فطرت کے اظہار کے وسیلے کے طور بھی رباعی کی صنف کو بڑی کامیابی سے برتا ہے اور حتی المقدور شعریت اور شعر پسند ساعت کی حفاظت کی ہے جبکہ دیکھنے والی بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے دونوں ہی صورتوں میں اِس بات کی کوشش کی ہے قاری اپنے اطہر جذبوں کے ساتھ ہی رباعیوں کی قرأت کا سفر پورا کرے اور ایمان و عقائد کی روشنی میں ماضی کے اندوختہ اور حال کے مولودہ و نومولودہ افکار و نظریات کا تجزیہ کرے، تاکہ وہ دین اور دنیا میں یکساں طور پر سرخروئی حاصل کر سکے۔'' (ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی)

● ''رباعی میں بحر ہزج کے دو زحافات اخرب و اخرم اور اس کے فروعات کا استعمال ہوتا ہے۔ شاہ نے اخرب و اخرم دونوں زحافات کے اوزان پر رباعیاں لکھی ہیں، لیکن اخرم کے بالمقابل اخرب کے بارہ اوزان میں ان کی رباعیاں کچھ زیادہ ہیں۔''

(ڈاکٹر یحییٰ نشیط)

● ''عصر حاضر کے رباعی گو شعراء میں شاہ کا رباعی کہنے کا نمایاں اور منفرد انداز ہے۔ گل سرسبد کے مانند نئی نئی اصطلاحیں جیسے بش گردی، کلنٹنی ایک اچھوتے انداز کی غماز ہیں۔ عالم اسلام کے افراد میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہوگا جس نے امریکی برطانوی حکومتوں اور ان کے حلیف ممالک کی افغانستان اور عراق میں بے گناہوں پر کی گئی بربریت پر دل میں رنج محسوس نہ کیا ہو اور اس کی آنکھیں نم نہ ہوئی ہوں۔ اس وحشیانہ حرکت پر امن عالم کی برقراری کی واحد ذمے دار مجلس اقوام متحدہ (یو این او) اور متعلقہ ممالک کی خاموشی کو شاہ نے خوب محسوس کیا اور اس پر اپنے غصے کو اپنی رباعیات کے فن میں سمویا ہے۔'' (صدیق احمد وقار)

● ''شاہ حسین نہری کی رباعیات میں تسلسل بیان اور خیال کے ارتقاء کے خوبصورت اظہار کے ساتھ ساتھ رباعی کے چاروں مصرعے زنجیروں کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہوتے ہیں۔ الفاظ و تراکیب کا انتخاب موضوع کی مطابقت سے ایسا برمحل کیا ہے کہ اس سے بہتر کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ رباعی کے پہلے مصرعے میں خیال کو روشناس کرواتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے مصرعے میں اس کے خدوخال کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔'' (پروفیسر ڈاکٹر لطیف سبحانی)

● ''رباعی گو شعراء میں شاہ حسین نہری کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ رباعیات پر ان کے دو دیوان ہیں پہلا ''ربیعہ'' اور دوسرا ''شاہ بانی''۔ پیر پرستی کے رسیا شاہ حسین نہری کو تصوف سے خاص شغف ہے۔ صوفی خاندان سے انھیں نسبت بھی ہے اور تعلق بھی۔''

شاہ حسین نہری

(م۔ناگ)

● ''شاہ صاحب نے اپنی مرحومہ بیگم کی یاد میں ۷۹ رباعیاں کہی ہیں۔ رباعی موصوف کی غالباً سب سے زیادہ پسندیدہ صنف ہے کیونکہ کتاب کے آخر میں آپ نے چھ رباعیوں میں چوبیس اوزان کے دوسٹ فراہم کیے ہیں جو ۱۲/فروری ۱۹۷۲ء کی رعایت سے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اپنی بیوی سے واقعی محبت ہے تو وہ ان تمام رباعیوں میں اپنی خوش و خرم اور پرازمحبت ازدواجی زندگی کی پوری تصویر ملاحظہ کر لے گا۔''

(ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی)

● ''اس حقیقت سے سبھی آشنا ہیں کہ رباعی میں زبان و بیان کی سلاست اور روانی قوتِ تاثیر کا کام کرتی ہے۔ شاہ حسین نہری نے اپنی بیشتر رباعیوں میں اِس کا خاص خیال رکھا ہے، ساتھ ہی انھوں نے رواں اور مترنم اوزان میں رباعیاں تخلیق کی ہیں، جو قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔''

(ڈاکٹر محمد فرحت حسین خوشدل)

● ''اِس پُرآشوب زمانے میں ایک آشوب یہ بھی ہے کہ ہر محلّہ میں تو نہیں ہر شہر میں کوئی لنگڑا لولا رباعی گو پیدا ہو گیا ہے ..... میں بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ وحید اشرف اور پھر آپ انہی دونوں صاحبان کی رباعی مجھے اچھی شاعری اور اچھی رباعی دونوں کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی جس رباعی کو دیکھا نکھ سکھ سے درست پایا۔'' (شمس الرحمٰن فاروقی)

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

● ''شاہ صاحب نے اپنی رباعیوں میں اصلاحِ معاشرہ کے مضامین کثرت سے برتے ہیں اور یہ فکر محض برائے شاعری نہیں ہے بلکہ عملی زندگی میں بھی میں نے شاہ صاحب کو اصلاحِ معاشرہ کی فکر میں مبتلاء پایا ہے۔ شاہ صاحب کی رباعیوں کے دو دیوان 'ربیعہ' اور 'شاہ بانی' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر علمی حلقوں میں داد وصول کر چکے ہیں اور انشاء اللہ یہ رباعیاں نسل در نسل نوع انسانی کی رہنمائی اور اصلاح کا کام انجام دیتی رہیں گی۔'' (ڈاکٹر محمد سہیل احمد صابر)

● ''شاہ صاحب کی رباعیات میں فکر و فن کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ فنی اعتبار سے جہاں اُن کی رباعیات پختگی کی حامل ہیں، وہیں فکری اعتبار سے بھی قابل قدر و تحسین ہیں۔ شاہ صاحب کی نفیس و مہذب شخصیت اِن کی رباعیات کے آئینہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ شاہ صاحب کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ تیز ہے جس کی وجہ سے اِن کی رباعیات میں گہرائی و گیرائی پیدا ہوئی ہے۔ انھیں اسلامی اقدار عزیز ہیں، اِسی لیے وہ ان کے تحفظ اور ترویج کے متمنی ہیں۔ شاہ صاحب کی رباعیات میں درسِ اخلاق و حکمت بھی ہے اور معاشرے کو تہذیب آشنا دیکھنے کی تمنا کا اظہار بھی۔'' (ڈاکٹر مقبول احمد مقبول)

● ''دیوان کے پیٹرن پر سب سے پہلے خاکسار نے دو برس پہلے ''ہزار رنگ'' کے نام سے مجموعۂ رباعیات چھپوایا، لہٰذا فرسٹ تو اس لحاظ سے خاکسار ہی ہے۔ آپ کو سکنڈ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ بہر حال آپ کو اس خاکسار پر شرف اس لیے حاصل ہوا کہ میں نے ''الف'' سے شروع کر کے ''ے'' تک پہنچایا تھا اور حضور نے ''ے'' سے شروع کر کے ''الف'' تک پہنچایا۔ گویا یہ کہ جو اس خاکسار کی آخری منزل تھی وہ حضور عالی مقام کی پہلی منزل بلکہ پہلا قدم ہے۔''

(ناوک حمزہ پوری)

● ''رباعیات شاہ کے رباعیوں میں اگر چہ موضوع و مضامین کے کمی کا احساس ہوتا ہے مگر انھوں نے اپنے مخصوص مضامین میں جن جذبات و احساسات اور تجربات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے، اِس سے اِس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ حسین نہری رباعی کے فن، اِس کی تاریخ اور روایات اور اِس کی عہد بہ عہد ترقی سے نہ صرف واقف ہیں، بلکہ اِس کے فنی اور تکنیکی رموز و لوازمات کا بھی بھرپور ادراک رکھتے ہیں اور اِس فن میں اِن سے مزید بہتر اور اعلیٰ تخلیقی کارناموں کے امکانات پائے جاتے ہیں۔''

(ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی)

● ''رباعی گوئی کے لیے قرآن، احادیث، اقوال بزرگان، کہاوتیں ضرب الامثال وغیرہ کا حسن استعمال گویا سونے پہ سہاگہ کے مصداق ہے۔ شاہ حسین نہری صاحب نے اس مجموعے میں بڑی عمدگی، سلیقہ شعاری اور مکمل انہماک سے ان تمام امور کا خیال رکھا۔'' (ڈاکٹر عقیل ہاشمی)

● ''موت، زندگی کی صداقتوں کا اعتراف نامہ ہے۔ ایک ایسی ہستی جو ہمیں عزیز ترین ہو جب اس دنیا سے اٹھ جاتی ہے تو لواحقین کو خون کے آنسو رلاتی ہے، لیکن ''گلبدن کی یاد میں'' شامل ان لہولہو رباعیوں میں کہیں بھی نمائشی سینہ کوبی، واویلا، واشگاف گریہ وزاری اور آہ و بکا نہیں بلکہ اپنے غم و اندوہ کا مہذب اور پروقار محبت بھرا اظہار ہے جو ہمیں ایک راست گو شاعر کے ساتھ گہری ہمدردی اور رفیقانہ قرین کے خوشگوار لمحات سے ہم آغوش کرتا ہے۔'' (اسلم مرزا)

● ''شاہ حسین نہری کی رباعیوں کے موضوعات حمد، مناجات، مذہب، بے ثباتیِ دنیا، انکسار، اخلاق، تصوف، محبت و اخوت، تقدیر و تدبیر اور عصری حالات کی ترجمانی وغیرہ ہیں۔ یہ رباعیاں اندازِ سخن کی دلنشینی، شگفتگی، سادگی اور دلفریبی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خصوصی طور پر وہ رباعیاں جن میں انھوں نے سیاسی و سماجی رجحان کا جائزہ منفرد انداز میں پیش کیا ہے تصورات اور الفاظ پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ زبان کی بلاغت اور معنی آفرینی کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ فکر و احساس کا رچا ہوا انداز بھی اِن کے یہاں موجود ہے۔'' (سلمہ کبریٰ)

● ''شاہ صاحب نے اپنے تربیت یافتہ ذوق اور شعور سے کام لیتے ہوئے جہاں حکمت و دانائی سے بھرپور رباعیاں کہی ہیں وہیں اپنے وجدان، شعری تجربے اور شاعرانہ فطرت کے اظہار کے وسیلے کے طور پر بھی رباعی کی صنف کو بڑی کامیابی سے برتا ہے اور حتی المقدور شعریت اور شعر پسند سماعت کی حفاظت کی ہے، جبکہ دیکھنے والی بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے دونوں ہی صورت میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ قاری اپنے اطہر جذبوں کے ساتھ ہی رباعیوں کی قرأت کا سفر پورا کرے اور ایمان و عقائد کی روشنی میں ماضی کے اندوختے اور حال کے مولودہ و نومولودہ افکار و نظریات کا تجزیہ کرے تاکہ وہ دین و دنیا میں یکساں طور پر سرخ روئی حاصل کر سکے۔''

(ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی)

☆☆☆

☆☆☆☆☆

شاعری (منتخب ماہیے)

شفیع احمد شفیع (پربھنی)
موبائل :
7972462122

●

قطرہ کا سمندر کا
ایک ہی خالق ہے
کمزور و تناور کا

●

کیا ذات کمالی ہے
دیکھو تو آقاؐ کی
ہر بات مثالی ہے

●

دل کا ہے یہی سپنا
وقت بچے جو بھی
اُس کی ہو سدا رچنا

●

بے کار بدلتے ہیں
نام بدلنے سے
کردار بدلتے ہیں؟

●

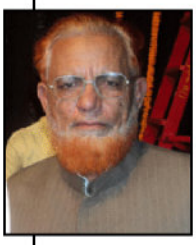

نذیر فتح پوری (پونہ)
موبائل :
9822516338

●

کچھ میری سنو بھائی
ایک حویلی میں
مل جل کے رہو بھائی

●

کھوٹے ہیں کہ سچے ہیں
ماں کے لئے بیٹے
اک جیسے ہی بچے ہیں

●

قندیل نہیں باقی
کوئی اجالے کی
تمثیل نہیں باقی

●

تفریق بڑھانا مت
دودھ کے آنگن میں
دیوار اٹھانا مت

●

ڈاکٹر یوسف صابرؔ
(اورنگ آباد)
موبائل :
9326772575

●

رمضان مہینے میں
آئے مزہ صابرؔ
کچھ اور ہی جینے میں

●

دل توڑ کے کیا حاصل
پیار محبت میں
منہ موڑ کے کیا حاصل

●

یہ کیسی سیاست ہے
توڑ کے دل صابرؔ
کہتے ہیں محبت ہے

●

دلدار نہیں ملتے
پیار کو سمجھے جو
وہ یار نہیں ملتے

●

طٰہٰ صدیقی (پربھنی)
موبائل :
9420889011

●

ہم نے تو یہ ٹھانی ہے
ہار کا جب ڈر ہو
تب شرط لگانی ہے

●

اوقات دکھانی ہے
بات تیری تجھ کو
اب یاد دلانی ہے

●

پل پل یہ بدلتا ہے
وقت نہیں رکتا
تیزی سے گزرتا ہے

●

لگتا ہے جو خوابوں سا
کاش عیاں ہوتا
منظر یہ سرابوں سا

●

طاہر حسین طاہرؔ
(ناندیڑ)
موبائل :
8087570387

جنگل سے نکل جانا
خوف ہر طرف ہے
جنگل سے نکل جانا

●

کچھ بھی نہیں ہے آگے
آس بھی ٹوٹے گی
طاہرؔ یقیں سے آگے

●

پیاس کی شدت سے
آگ لگی ہوگی
صحرا میں حرارت سے

●

پہچان بدلتی ہے
موت کے سائے میں
اب عمر یہ ڈھلتی ہے

●

اڑتے ہوئے جگنو کو
قید نہیں کرتے
احساس کی خوشبو کو

●

●●●

منتخب غزلیں

ڈاکٹر محمد مستمر
سہارنپور (یوپی)
موبائل : 8920860709

میرے خلاف ہرسو اب سازشیں رچی ہیں
ہے شکر پاک رب کا کہ عزتیں بچی ہیں
ہشیار اے مجاہد اے پاسباں وطن کے
ہرسُو خلاف تیرے بھی محفلیں سجی ہیں
قدموں کو تو سنبھل کر ہی جا بجا یہاں رکھ
بارُود کی سرنگیں ہر سُو یہاں بچھی ہیں
رب خیر کر دعا ہے میری کہ آگ رک جا
لپٹیں مرے وطن میں پھر سے یہاں اُٹھی ہیں
محبوب یاد میرا پھر کر رہا ہے شاید
دل میں مرے امیدیں پھر دیکھئے جگی ہیں
تاریخ ہے تری تو یہ کربلا کے وارث
عورات بھی لڑائی میں وقت پر لڑی ہیں
زد میں فساد کی لٹ سب کچھ گیا ہے صاحب
عورات کی قبائیں تن پر فقط بچی ہیں

☆☆☆

الطاف اقبال
(ریاض۔سعودی عرب)
موبائل :
9370795644

گر وہ بنانا چاہے ہیں عشرت سرائے دل
ان سے کہو کہ وہ کبھی ہم سے لگائے دل
بسم اللہ کہہ کے پار کیا جب سے بحرِ عشق
تب سے حسیں ہے اور بھی اپنی فضائے دل
دو ایک بوسہ لبِ لعلیں کے واسطے
کب تک کسی کے حسن کے نخرے اٹھائے دل
حالت نہ پوچھئے دلِ وحشی کی آج کل
پل پل پکارتا ہوں میں کہہ کہہ کے ہائے دل
دیکھا جمالِ معنی حسنِ آفریں کو کل
اور کیا غضب کہ لٹ گیا بیٹھے بیٹھائے دل
کل شب وہ بزمِ دل میں تھے افسردہ شرم سے
ثابت ہوئی جو اُن کی یکا یک خطائے دل
اِک دن دکھاؤ حسنِ تجلّی فروز بھی
اک دن تمہارے وصل میں آرام پائے دل

تمیز پرواز (ناندیڑ)
موبائل :9423657008

منظر خزاں کا ہے یہاں کیسی بہار ہے
موسم کا سچ کہیں تو کہاں اعتبار ہے
جینا ہے اِس لئے ہی تو جیتے ہیں لوگ بھی
بے کیف زندگی میں کہاں کا قرار ہے
کرتا نہیں ہے قدر کوئی اہل علم کی
دولت ہو جس کے پاس وہی پُروقار ہے
مدت ہوئی ہے تو کبھی آیا نہیں اِدھر
مرضی کی بات ہے یہ تیرا اختیار ہے
کس کو سناؤں دل پہ ہے گزری جو ہم نفس
ہمدرد ہے کوئی نہ مرا رازدار ہے
میرا جو فرض تھا وہ نبھاتا رہا ہوں میں
وعدے کو ٹال دینا یہ تیرا شعار ہے
پرواؔز وہ بھی کرنے لگا کس قدر گماں
گنتی میں جو کہیں نہ کہیں پر شمار ہے

☆☆☆

ظفر اقبال ظفؔر
(فتح پور)
موبائل :
8756433896

ظلم کی تیرے نشانی کب تک
خاک اور خوں کی کہانی کب تک

یہ کسی دن بکھر بھی سکتا ہے
یہ ترا خوابِ جوانی کب تک

کچھ نہ کچھ نیک عمل اب کرلے
تیری سانسوں میں روانی کب تک

تیرا کیا ہے تو بدل سکتا ہے
پیار کی تیرے نشانی کب تک

خشک ہوجائیں گے سوتے اک دن
بہتے دریا ترا پانی کب تک

اک نہ اک دن تو سانس ٹوٹے گی
زندگی تیری کہانی کب تک

زد میں آجائے گا اک دن تو بھی
یہ تری زہرفشانی کب تک

قفل لگنا ہے زباں پر تیری
آخرش شعلہ بیانی کب تک

اک نہ اک دن تو ظفؔر مٹنا ہے
ریت پر تیری کہانی کب تک

☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

مجروؔح سلطان پوری کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر شیخ عبدالوہاب
صدرشعبہ اردو، راشٹر ماتا اندرا گاندھی کالج جالنہ
موبائل : 8805182177

☆تمہید (Abstract)
مجروؔح سلطان پوری کا شمار صف اول کے غزل گو شعراء میں ہوتا ہے۔ علامہ اقباؔل، فیض احمد فیضؔ، جوشؔ ملیح آبادی، حسرتؔ جےپوری، جگرؔ، کیفی اعظمی و دیگر چند شعراء کی طرح مجروؔح سلطان پوری نے بھی اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔ اس مختصر مضمون میں مجروؔح سلطان پوری کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

☆تعارف (Introduction)

اسرارالحسن خان مجروؔح سلطان پوری کا تعلق اتر پردیش سے ہے۔ مجروؔح بیسویں صدی کے پہلے ربع میں پیدا ہوئے۔ مجروؔح سلطان پوری نے فلموں کے لئے کئی غزلیں اور گیت لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔ مجروؔح سلطان پوری ترقی پسند تحریک کا بھی حصہ رہے۔ اُن کی غزلوں میں ترقی پسندی کے عناصر بھی ملتے ہیں۔

☆**مجروؔح سلطان پوری کی غزلوں کا تنقیدی مطالعہ :**

مجروؔح سلطان پوری کی غزلوں کے کئی اشعار مقبول ہوئے۔ ان کا یہ شعر اکثر تقریروں میں سنا جاتا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اِسی نوعیت کا ایک اور شعر پیش ہے جو فرد کے مقابل اجتماعیت کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

ترقی پسندی کے عروج کے زمانے میں جبکہ ہم عصر دیگر ترقی پسند شعراء جن میں فیض احمد فیضؔ، مختار صدیقی، مجید امجد وغیرہ وغیرہ جو ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو کر غزل سے گریز کرتے ہوئے نظم گوئی میں سبقت لے جانے میں مصروف تھے اوران لوگوں کی اکثریت نے غزل کو فرسودہ روایتی صنف سخن قرار دے دیا تھا۔ ان حالات میں ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باوجود بھی مجروؔح نے اپنی ڈگر نہیں بدلی اوراس میدان میں اپنی ہنرمندی کے وہ جوہر دکھائے کہ مخالفین کو بھی مجروؔح کی غزل گوئی کی ہمہ گیریت کا اعتراف کرنا پڑا۔

دیکھ زنداں سے پرے رنگ چمن جوش بہار
رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

مجروؔح سلطان پوری نے غزل گوئی میں اپنی ڈگر الگ بنائی اور کھل کر اس کا اظہار بھی کیا۔

ہم روایات کے منکر نہیں لیکن مجروؔح
سب کی اور سب سے جدا اپنی ڈگر ہے کہ نہیں

انھوں نے خود اپنی غزلوں کے بارے میں ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''جب ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۰ء تک غزل دشمنی بالخصوص ترقی پسندوں میں بھی ترقی پسندوں کا لائحہ عمل غزل دشمنی نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے عروج پر تھی، اس وقت میں نے اپنے یقین کی رہبری میں غزلیں کہیں اور سیاسی وسماجی مضامین کو پہلی مرتبہ غزل میں کامیابی سے برتا اور ۱۹۵۰ء کے آخر میں جب میں جیل سے اپنی نئی غزلیں لے کر باہر آیا تو ہمارے رفیقوں کو غزل کے بارے میں نئے سرے سے رائے قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اوران ہی دنوں پروفیسر احتشام حسین نے غزل اوراس کی تکنیک کا نئے سرے سے جائزہ لیتے ہوئے ایک مضمون بھی لکھا جس میں انہوں نے غزل سے پرامید رہنے کی تلقین کی۔

عام طور پر غزل میں سیاسی اور سماجی مسائل کا اورخصوصاً سیاست کا ذکر اس کی اپنی تمام مخصوص اشاعت اور غزلیہ طرز بیان کی اولیت کا مستحق لوگ فیض احمد فیضؔ کو سمجھتے ہیں۔ ہر چند میں فیضؔ کو اپنا بزرگ اور پیشرو مانتا ہوں لیکن یہاں یہ کہنے سے گریز نہیں کروں گا کہ ممکن ہے ایسا پاکستان میں رہا ہو، لیکن ہم ہندوستانی شاعروں اور ادیبوں کو ان دنوں یعنی ۱۹۵۰ء کے آخر تک ان کی صرف ایک غزل کا علم ہو سکا تھا اوران کی بہت مشہور اور خوبصورت غزل ہے جس کے مطلع کا مصرعہ ہے: ''تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے'' اگر ہمارے ملک میں ان کے کسی مخصوص دوست تک ان کی کچھ اور غزلیں پہنچی ہوں جس کا امکان کم ہی ہے تو کم از کم ہم جیسے ان غزلوں اور اشعار سے ناواقف تھے۔ اس بات پر میں اصرار اس لیے کر رہا ہوں کہ سیاسی مضامین برتنے کے سلسلے میں مَیں نے صرف لائق ستائش ہی اشعار نہیں کہے بلکہ افراط وتفریط کا شکار بھی ہوا ہوں جس کی سزا مجھے اس حد تک مل رہی ہے کہ لوگ میری اصل شاعرانہ صلاحیت کو آج بھی تسلیم کرنے میں تامل کر رہے ہیں۔''

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

سہ ماہی ''عکس ادب'' اردو کا رسم اجراء و محفل افسانچہ و مشاعرہ کا انعقاد

اورنگ آباد۔ بتاریخ ۲۲ رجنوری ۲۰۲۳ بروز اتوار بوقت ۱۱ر بجے بمقام رہائش گاہ سرتاج شاکر (سابق ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر ضلع پریشد اورنگ آباد) روبرو پاکیزہ فنکشن ہال اورنگ آباد میں منجانب بزم عکس ادب ایک پروقار ادبی جلسے کا انعقاد عمل میں آیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، اس کے بعد مہمانوں کو پھول پیش کرکے ان کا استقبال کیا گیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ناصر نے اس جلسے کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ پہلا اجلاس محفل افسانچہ پر مشتمل تھا۔ اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر شیخ عظیم الدین کے ذمہ رہی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر یوسف صابؔر نے بحسن و خوبی انجام دیئے۔ محفل افسانچہ میں عبداللطیف جوہر، ڈاکٹر نصرت حنفی، غلام ثاقب، ارشد صدیقی، ندیم مرزا (بیڑ)، ڈاکٹر یوسف صابر اور معز ہاشمی نے اپنے افسانچے سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ ندیم مرزا نے اسی اجلاس میں اک نئی صنف خاکچہ نگاری کی بنیاد رکھتے ہوئے ڈاکٹر یوسف صابؔر اور شاہ حسین نہری پر اپنے خاکچے سنا کر محفل کو محو حیرت کیا۔ ڈاکٹر شیخ عظیم الدین نے افسانچہ نگاری کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے اس دور میں اس کی اہمیت وافادیت بتلائی اور پڑھے گئے افسانچوں پر تبصرہ کیا۔ صدارتی خطبہ سے پہلے ڈاکٹر مسرت فردوس نے عکس ادب اور علیم طاہر کے خصوصی گوشہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دوسرا اجلاس مشاعرہ پر مشتمل تھا۔ مشاعرہ کی صدارت ندیم مرزا نے کی اور نظامت کے فرائض شفیع احمد شفیع (پربھنی) نے بڑے دلکش انداز میں انجام دیئے۔ اس مشاعرے میں وسیم راہی، ڈاکٹر نصرت حنفی، عمران رضوی، احمد اورنگ آبادی، ذکی صدیقی، ارشد صدیقی، غلام ثاقب، شفیع احمد شفیع، ڈاکٹر یوسف صابؔر اور ندیم مرزا نے اپنا منتخب کلام پیش کرکے خوب داد و تحسین حاصل کی۔ تیسرے اجلاس میں عکس ادب (خصوصی گوشہ علیم طاہر جولائی تا ستمبر ۲۰۲۳ء کا اجراء بدست ارشد صدیقی عمل میں آیا۔ اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر دوست محمد خان نے فرمائی۔ اجراء سے پہلے ڈاکٹر رفیع الدین ناصر نے اظہار خیال کرتے ہوئے علیم طاہر کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر دوست محمد خان نے اپنے صدارتی خطبہ میں اردو کی موجودہ صورتحال پر انتہائی سنجیدگی سے بات کی اور ڈاکٹر یوسف صابر کی صحافتی خدمات کو سراہتے ہوئے تمام حاضرین سے اردو کے لئے ہر طرح کے تعاون کی اپیل کی۔ بزم عکس ادب کے اس پروگرام میں عطاء اللہ شاہ، احمد خان ایم۔ اے، رضوان احمد، سرتاج شاکر، ڈاکٹر مسرت فردوس اور سید مسعود احمد قیصر، سیدہ فرزانہ نسیم اور عتیقہ اطہر موسیٰ موجود تھے۔ پروگرام کے آغاز اور اختتام سے پہلے سراج الدین، رضوان احمد اور ڈاکٹر دوست محمد خان نے انتہائی دلکش ترنم میں خوب صورت غزلیں گا کر محفل کو رونق بخشی۔ غلام ثاقب کے اظہار تشکر کے ساتھ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس پروگرام کے کنوینیر ابراہیم خان اور آرگنائزر ڈاکٹر یوسف صابر تھے۔

ایسا نہ ہو کہ بادل سے زیادہ چھت ٹپکنے لگے

برسات کے موسم میں اپنے گھر کی چھت کو ٹپکنے اور خراب ہونے سے بچانے اور آرام سے بے فکر رہنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں۔ مناسب دام پر واٹر پروفنگ (Water Proofing) کرائیے۔

محمد اختر خان Mob.8793751113, 9822059723

Shino Paints, Aurangabad.

کمل جامکر ہائی اسکول میں بزم اردو کا افتتاح توضیحات کا اجراء و شفیع احمد شفیع کا علم عروض پر خطاب

پربھنی۔ آنجہانی کمل جامکر مہیلا مہاودیالیہ، ٹاکلکر سبھا گرہ پربھنی میں شعبۂ اردو کی جانب سے دوپہر ایک بجے بزم اردو کا افتتاح اور طالبات کے تیارکردہ خوبصورت توضیحات کا اجراء پرنسپل ڈاکٹر وسنت بھوسلے اور مہمانِ خصوصی ماہر علم عروض شفیع احمد شفیع نے کیا۔ پرنسپل وسنت بھوسلے نے اردو زبان و ادب پر عمدہ خیالات پیش کئے جو طالبات کی تقریری، تحریری و تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ شفیع احمد شفیع نے اساتذہ و طالبات کی دلچسپی و محنت کی سراہنا کی اور سبھی کو مبارکباد پیش کی۔ وائس پرنسپل ڈاکٹر سنگیتا اوچار نے طالبات کی حوصلہ افزائی کی اور ہندی و اردو میں بہترین کلام پیش کیا جسے سن کر سبھی نے انھیں داد و تحسین سے نوازا۔ شعبۂ اردو کی صدر پروفیسر ڈاکٹر نسیم نے طالبات کو علم سے رغبت بڑھانے پر زور دیا اور نظامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔ شفیع احمد شفیع نے علم عروض کی باریکیوں سے طالبات کو واقف کروایا اور بورڈ پر اساتذہ کے اشعار کی خود بھی تقطیع کی اور طالبات سے بھی بورڈ پر تقطیع کروائی۔ شعبۂ اردو کی لیکچرر کوثر بیگم نے لیکچر کے بعد کہا کہ آج کا یہ لیکچر طالبات کی صلاحیت میں اضافہ کا باعث بنے گا اور مہمانان اور طالبات کا شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆

خلوص عکس ادب (منتخب خطوط)

۲۳ر فروری ۲۰۲۳ء سعید از لی صابر صاحب

السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ممبئی کا سفر مبارک ہو۔ دعا ہے شاد کام واپسی ہو۔ برادر محترم غلام ثاقب صاحب کے دو تحریر کردہ خاکے ''عکس ادب'' کے لئے مرسل خدمت ہیں۔ یقین ہے آپ کو پسند آئیں گے۔ خوشی کی بات ہے کہ ثاقب صاحب خاکہ نگاری میں مجھ سے بھی آگے ہیں۔ دعا ہے ان کے لئے ''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ'' تازہ شمارہ اگر زیر ترتیب ہے تو گذارش ہے شامل اشاعت کرلیں۔ **ندیم مرزا** (بیڑ)

☆

جناب ڈاکٹر یوسف صابر صاحب۔ ایڈیٹر سہ ماہی عکس ادب اورنگ آباد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ابھی ابھی رسالہ عکس ادب کے شمارہ کا پی ڈی ایف دیکھا۔ واہ زبردست، بہت خوب۔ بہت بہت مبارک۔ **ارشد صدیقی** (بیڑ)

اتر پردیش اردو اکاڈیمی کی جانب سے اورنگ آباد کے چار قلمکاروں کو اعزاز

اورنگ آباد۔ اتر پردیش اردو اکادیمی لکھنؤ نے اردو کی خدمت کرنے والوں کی خدمت میں قومی سطح پر ایوارڈ پیش کئے۔ ۲۰۱۹ء اور ۲۰۲۱ء کے انعامات میں اورنگ آباد کے چار قلمکار شامل ہیں۔ ۲۰۱۹ء کے لئے ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان کی کتاب ''ٹیپو سلطان'' کو اعزاز سے نوازا گیا۔ اسی طرح ۲۰۲۱ء کے لئے اِن کی ایک اور کتاب ''مولانا ابوالکلام آزاد کی گرفتاریاں'' کو قومی سطح کے انعام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی طرح پروفیسر عبدالقادر کی کتاب ''صادق دکن دیس میں'' کو انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر قمرالنساء صدر شعبۂ اردو کوہِ نور کالج خلد آباد کو اِن کی کتاب ''نورالحسنین کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ'' کے لئے اعزاز سے نوازا گیا۔ اسی طرح شائستہ محمدی بنت جاوید احمد قریشی سپروائزر عظیم اردو پرائمری اسکول اورنگ آباد کو اُن کی کتاب ''نباتی سائنس'' کو انعام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اِن تمام کو انعام سے نوازے جانے پر نورالحسنین، پروفیسر صادق، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، عرفان خان سوداگر، فاطمہ زہرا، عبدالودود انصاری و دیگر احباب نے مبارکباد پیش کی۔ (بشکریہ روزنامہ 'ورق تازہ' ۲۸ر جنوری ۲۰۲۳ء)